اکتوبر 1988ء

قد افلح من تزکّٰی و ذکر اسم ربہ فصلّٰی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

المجاھد من جاھد نفسہ (الحدیث) مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ

المرشد

چکوال

بیاد

شیخ العرب والعجم صدیق دوراں مجددِ طریقت، مجتہد فی التصوف بحرِ علوم شریعت قلزمِ فیوض و برکات

امام اولیا شیخ سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

مقامِ اشاعت

دار العرفان ○ منارہ ○ ضلع چکوال

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

تصوّف کیا ہے؟

لُغت کے اِعتبار سے تصوّف کی اصل خواہ صوف ہو اور حقیقت کے اِعتبار سے اس کا رشتہ چاہے صفا سے جا ملے، اِس میں شک نہیں کہ یہ دِین کا ایک اہم شعبہ ہے جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النیّت پر ہے اور جس کی غایت تعلق مع اللہ اور حصُولِ رضائے اِلٰہی ہے ۔ قرآن و حدیث کے مطالعے، نبیِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوۂ حَسنہ اور آثارِ صحابہؓ سے اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے ۔

(دلائلِ السّلوک)

http://owaisrahbooks.blogspot.com/

بنیاد: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جلد: ۱۰ — شمارہ: ۲

سرپرست
حضرت مولانا محمد اکرم اعوان
مدظلہ العالی

ماہنامہ

المرشد

دار العرفان
منارہ
ضلع چکوال

ربیع الاوّل ۱۴۰۹ھ — اکتوبر ۱۹۸۸ء

مدیر مسئول
پروفیسر حافظ عبد الرزاق
ایم اے (اسلامیات)، ایم اے (عربی)

مدیر
تاج رحیم

اس شمارے میں

اداریہ	۲
تکمیل دین	۳
ہمارا مشن	۱۳
لندن سے خط	۱۹
پیغام امن	۲۲
ووٹ کس کو دیں	۳۱
محاسبۂ آخرت	۳۹
عظمت صحابہ	۴۲
مستقبل کے مسلمان	۴۴

بدل اشتراک

فی پرچہ	۱۰ روپے
چندہ سالانہ	۱۰۰ روپے
ششماہی	۵۵ روپے
تاحیات	۷۰۰ روپے
سری لنکا، بھارت، بنگلہ دیش	۲۰۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور مشرق وسطیٰ کے ممالک	۵۰ سعودی ریال
تاحیات	۳۰۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپی ممالک	۱۰ سٹرلنگ پونڈ
تاحیات	۵۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ اور کینیڈا	۲۰ امریکن ڈالر
تاحیات	۱۰۰ امریکن ڈالر

سول ایجنٹ:
اویسیہ کتب خانہ
الوہاب مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

طابع وناشر: حافظ عبد الرزاق ○ مطبوعہ: شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور ○ مقام اشاعت: دار العرفان منارہ، ضلع چکوال

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

اداریہ

دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے انسان اپنے وقت پر آتے اور اپنی باری پر چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نظام کو انسانوں کی آمد و رفت متاثر نہیں کر سکتی وہ یوں بے نیازی سے رواں دواں رہتا ہے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

مگر ہر فرد انسانیت پر اپنے نقوش ضرور بناتا ہے بعض کے بنائے ہوئے نقوش بہت دھندلے ہوتے ہیں جو عام آدمی کی نگاہ میں نہیں آسکتے مگر ایک خاندان یا کنبہ ان کا نقش ہوتا ہے جو اپنے طور پر اپنی حیثیت کے مطابق پھر مزید نقوش بنانے میں مصروف ہو جاتا ہے اور یوں یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہ الگ بحث ہے کہ وہ نقوش کیلئے زینت کا سبب بنتے ہیں یا اس کے چہرے پر سیاہی ملنے میں دوسروں کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔

بعض لوگوں کو تقدیر بہت اہم مقام پر فائز کر دیتی ہے جہاں سے وہ ہر دیکھنے والے کو نظر آتے ہیں اور ان کا بنایا ہوا ایک ایک نقش انسانیت کی تاریخ بن جاتا ہے۔

روشن یا تاریک یہ فیصلہ تاریخ خود کرتی ہے جو اپنے فیصلوں میں بے رحمی کی حد تک آزاد ہے۔ جنرل محمد ضیاالحق شہید بھی ان افراد میں سے تھے جنہوں نے عالمگیر انسانی برادری کو متاثر کیا۔ انسانی تاریخ پر اپنے نقوش ثبت کئے اور اپنا رول ادا فرما کر دارِ بقا کو چلے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ میں یہاں لمبی چوڑی بات کرنے سے تو رہا مگر دو ایک باتیں ضرور عرض کروں گا جو میں نے شہید صدر کے روبرو بھی کہی تھیں۔

اول یہ تاریخی حقیقت ہے کہ برصغیر میں ایوانِ سلطنت سے اللہ کے لیے دعوت کی جو آخری آواز خاموش ہوئی وہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کی تھی اور صدیوں بعد ایوانِ سلطنت سے جس آواز نے دعوت الی اللہ کا آغاز کیا وہ ضیاالحق شہید کی تھی۔

دوسری بات یہ عرض کروں گا کہ کسی بھی آدمی کی رائے سے اختلاف رکھنا بشرطیکہ اسمیں بھی خلوص ہو۔ انسانی حق ہے مگر اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ اگرچہ نفاذِ اسلام کا عمل مکمل نہ ہو سکا مگر اسلام اور اہل اسلام کو معاشرے میں عزت و وقار ضرور نصیب ہوا۔ اللہ کرے نفاذِ اسلام کی جو بنیاد ملک عزیز میں مرحوم نے رکھی تھی ان کے جانشین اسے مکمل کر کے اللہ کے حضور بھی سرخرو ہوں اور قوم کی رہنمائی کا فریضہ بھی بطریق احسن ادا کر سکیں اور تیسری بات یہ عرض کی تھی کہ "وردی بہت بھلی لگتی ہے"۔ یہ بات تب تو محض بات تھی مگر کون جانے کہ تھوڑا عرصہ بعد ہی اللہ کریم نے انہیں وردی میں ہی طلب فرما لیا بہت سے پسندیدہ رفقاء سمیت اللہ کریم ان سب پر اپنی رحمت خاصہ کی کرنیں بکھیرتا رہے اور اس ملک کو اسلامی عقیدہ اسلامی عمل اسلامی اخلاق، اسلامی اخوت اور اسلامی محبت سے نوازے۔

شہداء کی موت قوم کیلئے نویدِ حیات ہوا کرتی ہے اس لیے کہ یہ مرتے نہیں ایک زندہ جاوید اصول کے زندۂ جاوید داعی اور دین برحق کے خاموش مبلغ ہوا کرتے ہیں۔ جن کی زبان کے بجائے رگِ جان کا خون قوم سے باتیں کرتا ہے۔

فقیر محمد اکرم عفی عنہ

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

اسرار التنزیل

حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ

تکمیلِ دین

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ
نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

اللہ کریم کا بیحد احسان ہے کہ اس نے اتنے دور اس دیارِ غیر میں اپنے بزرگوں، دوستوں سے نہ صرف شرف ملاقات بخشا بلکہ یہاں بھیج کر آپ سے ملکر، آپ کے حالات جان کر، بالخصوص حالات دیکھ کر بہ نسبت دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کے جان کر خوشی ہوئی۔ اللہ کریم دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کو بھی آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے اور اتفاق، اتحاد، خلوص اور اتباعِ رسالت عنایت فرمائے۔

اسلام بہت سی باتیں ایسی رکھتا ہے جو اس کی خصوصیت ہے یوں تو ہر وہ دین جو کسی بھی زمانے میں اللہ کی طرف سے کوئی بھی نبی لایا ہو۔ سارے ہی اسلام ہیں۔ لیکن اسلام سے میری مراد یا اس آیۂ کریمہ میں اسلام سے مراد یہ "آخری دین" ہے جو آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور اس کے دائرہ کار اور دیگر انبیاء کرام کی نبوت اور اس کے دائرہ کار میں یہی بنیادی فرق ہے۔ اللہ کریم رب العالمین ہے اور "رب" کا معنیٰ ہوتا ہے، ہر ضرورتمند کی ہر ضرورت، ہر جگہ، ہر وقت پورا کرنے والی ہستی۔ وہ ایسا کریم ہے کہ ضرورتیں بعد میں آتی ہیں تکمیل کے اسباب پہلے بھیج دیتا ہے۔ آپ اسے پوری زندگی میں اس عمل کو کارفرما دیکھیں گے۔ ایک تنکے کی روشنی کے لیے جن عوامل کی ضرورت ہے تنکہ بعد میں آتا ہے۔ عوامل پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔ ایک انسان کی تخلیق کے لیے جن غذاؤں، جن فضاؤں، جن حالات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے آنے سے پہلے موجود ہوتے ہیں۔ ایک درخت، ایک پھل کے پیدا کرنے کے لیے جن عوامل، جن محرکات جس روشنی، جس گرمی، جس فضا، پانی، جن گیسوں کی ضرورت ہوتی ہے، مہیا فرما دیتا ہے۔ جب دین اسلام کا ظہور ہوا اور آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے تو اس سے پہلے یہ بات کسی نبی، کسی رسول نے ارشاد نہیں فرمائی تھی۔ یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ انبیاء مختلف اقوام میں مبعوث ہوئے۔ انبیاء مختلف علاقوں میں اور شہروں میں مبعوث ہوئے لیکن یہ روئے زمین پر انفرادی اور پہلا اعلان تھا کہ اللہ کا ایک بندہ اور ساری انسانیت کو مخاطب فرما رہا ہے۔ اسوقت کا انسان یہ نہیں جانتا تھا کہ آنے والے زمانے میں زمین کی طنابیں کھینچ لی جائیں گی۔ فضائیں سمٹ جائیں گی اور دوریاں ختم ہو جائیں گی۔ انسان کے لیے دنیا کا سینہ گھر کے صحن کے مانند ہو جائے گا۔ لیکن وہ جس نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا۔ جس نے

اپنی کتاب نازل فرمائی۔ وہ جانتا تھا کہ آنے والے زمانے میں وہ ہر انسانیت پہ کیا کیا مادی وسائل کے دروازے کھولنا چاہتا ہے۔ اب آج کے زمانے کا یہ حال ہے کہ میں نے اپنے خود اس سفر میں کراچی وضو کیا وقت نہ تھا۔ میں جہاز میں بیٹھ گیا اور اوپر جا کر نماز پڑھ لی۔ اس وقت تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسے ہوگا۔ لیکن اگر ان کی نبوت پہلی نبوتوں کی طرح ایک علاقے یا صرف ایک قوم یا صرف عربوں یا حلقۂ اثر کے لیے ہوئی۔ اور دوسرے ملک میں دوسرا، تیسرے میں تیسرا نبی۔ چوتھے علاقے کے لیے چوتھا نبی ہوتا تو وہ انسان جو پوری دنیا کا سفر دو، چار مہینوں میں کر لیتا ہے تو میرے خیال میں اس کے لئے اتنا ممکن ہی نہ ہوتا کہ وہ کتنے دین سیکھتا۔ کتنے طریقۂ عبادت یاد کرتا، کہاں کہاں کرتا اور کیا کیا کرتا۔ اللہ کریم نے انسانیت کی اس تکلیف کا حل اس وقت پیش فرما دیا۔ جب آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ یہ چیزیں بعد میں آئیں۔ جہاز بعد میں بنے۔ یہ فضائی راستوں کی سہولت۔ یہ فون، تار، اخباریں، لوگوں کا باہمی رابطہ یا سفر کی سہولتیں یہ تمام چیزیں بعد میں آئیں۔ یہ تمام اس وقت کچھ بھی نہ تھا۔ لیکن انسان کی اولین ضرورت جو انسان کو باقی تخلیق سے ممتاز کرتی ہے وہ ہے اس کا وہ "شعور" "وہ آگہی" وہ "امتیاز" جو وہ معرفت باری کے حصول کے لیے لیکر پیدا ہوا۔ ورنہ یہ کارگاہ حیات میں جو کچھ ہے وخلق لکم ما فی الارض
زمینوں میں جو کچھ ہے وہ تمہاری خدمت میں لگا ہوا ہے۔ آسمانوں میں جو کچھ ہے۔ فرمایا وہ تمہاری خدمت پہ معمور ہے اور اگر معمورِ عالم میں انسانیت کی عمر تمام ہو جائے تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ ساری کائنات کی عمر تمام ہو گئی۔ کہ جب استعمال کرنے والا نہیں رہے گا۔ تو اس کی ضرورت باقی نہیں رہے گی تو اگر ایک انسان کی خاطر اتنا معمور عالم سرگرم عمل ہے تو کیا انسان واقعی اتنی قیمتی چیز ہے، اگر ہے تو کیوں ؟ اس کا سبب کیا ہے ؟ اس کا وہ شعور۔ وہ کمال۔ یہ ساری کائنات کا اور اس کا ایک ایک ذرہ۔ اللہ کی عبادت کرتا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کرتا رہے گا.......

ذرۃ الا باذن اللہ :۔ ایک پتہ اللہ کے حکم کے بغیر ہلتا نہیں ایک ذرہ اللہ کی رضا کے بغیر حرکت نہیں کرتا۔ لیکن کوئی چیز بھی اپنی اس مسلسل اطاعت سے قرب الٰہی حاصل نہیں کر سکتی۔ اس لیے کہ ان کے پاس بجز اطاعت کے کوئی چارہ کار ہی نہیں کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں۔ انہیں وہ شعور ہی نہیں دیا گیا کہ وہ رب کریم کی عظمت کو پہچان سکیں۔ اس کی جلالت شان کو جان سکیں۔

پوری تخلیق میں انسان ایک ایسی سند ہے رب جلیل کی۔ جسے یہ شعور بخشا گیا کہ وہ عظمت باری کو اپنی حیثیت کے مطابق پہچان سکیں اور پھر اپنے فیصلہ سے اپنی پیشانی اس کے دروازے پر جھکا دے۔ یہ طے کرتے ہوئے کہ واقعی یہ ذات اس قابل ہے کہ میں اس کی عبادت کر سکوں، اسے پہچان کر اسے جان کر، اس پہ فدا ہو کر۔ تو یہ ساری کائنات حکم کی تابع ہے۔ واحد تخلیق ہے انسان جو حاکم کے تابع ہوتا ہے۔ پہلے اس کا رابطہ ذاتِ باری سے استوار ہوتا ہے۔ ہر فرد کا اپنا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس کا دل مانتا ہے۔ اس کا ضمیر فیصلہ کرتا ہے۔ وہ خود چاہتا ہے اور یہ امتیاز ہے اسلام کا، کہ آقائے نامدارؐ کی بعثت نے اس دن انسانیت کی ایک غرض کی تکمیل کر دی۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ یہ جو اسلام میں ختم نبوت کا تصور ہے اس پر بڑی "لے دے" ہوتی ہے اور کچھ حضرات فرما رہے تھے کہ آپ مرزائیوں کے بارے میں کچھ کہیں تو میری صرف اتنی گذارش ہے کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے بعد کسی بھی نئی نبوت کا عقیدہ اس پوری بنیاد کو ہلا کر رکھ دیتا ہے جو حضور کی بعثت سے انسانیت کی غرض کی تکمیل کے لیے اسلام استوار کرتا ہے۔ کسی بھی نئے نبی کو اگر ہم قبول کریں تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

انسانیت کی ضرورت کی تکمیل بعثت محمد رسول اللہ سے مکمل نہیں ہوئی اور پورا اسلام کا ڈھانچہ اپنی بنیاد سے ہل جائے گا تو پھر کسی ایسے
نبی کو ماننے کی کیا ضرورت ہے جو دعویٰ تو نبوت کا کرے اور احکام وہی پیش کرے جو حضرت محمدؐ نے عطا فرمائے۔ یعنی صرف نبوت مل گئی
انہی احکام کے لیے نئی نبوت کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے لیے ایکی نبوت موجود تھی۔ صحابہ موجود تھے۔ اللہ کی کتاب موجود تھی یا تو
اس میں کمی ہوتی، خلا رہ ہوتا۔ صرف یہ بنیادی اختلاف ہے جس پر علمار حق اس حفاظت کے لیے مسلمانوں کو خبردار کرتے رہتے ہیں کہ یہ
اسلام کی جو بنیاد رکھی گئی اس کی نفی کر دیتا ہے یہ عقیدہ اور اسی پر حدیث پاک ہیں۔ تفسیریں۔ قرآن حکیم میں بھی بار بار تاکید کی گئی ہے
حتیٰ کہ عجیب بات یہ ہے کہ اللہ کریم جس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔ خود ہی فرماتے ہیں۔ حضورؐ کی زندگی مبارک میں مسیلمہ کذاب نے
نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ آپ کے وصال کے بعد (سب سے پہلا جہاد) منکرین زکوٰۃ اور دوسرے داعیان نبوت کے خلاف ہوا۔
"مسیلمہ" کے ساتھ چند اور نام ملتے ہیں جنہوں نے حضورؐ کے وصال کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا۔ لیکن باوجود اس کے قیصر و کسریٰ
کی نظریں اس نوزائیدہ اسلامی سلطنت کے ساتھ لگی ہوئی تھیں اور سخت خطرے میں تھے مسلمان۔ لیکن اسلامی ریاست کی نسبت
اسلامی نظریات کا تحفظ اتنا ضروری تھا کہ صحابہ کا اجتماع اس بات پر منعقد ہوا کہ پہلے ان حدود کی حفاظت ضروری ہے جن پر ہمارے
عقیدہ کی بنیاد ہے۔ اگر وہ متزلزل ہو گئی تو ہمارے پاس سلطنت رہی بھی تو کیا فائدہ۔ لہٰذا تاریخ کا ایک حصہ ہے کہ اسی وقت تمام
مدعیانِ نبوت کے خلاف جہاد کا اعلان کیا گیا اور ہمیشہ کے لیے یہ سند دے دی گئی کہ حضورؐ کے بعد اگر کوئی نبوت کا دعوت کرتا
ہے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کے خلاف جہاد کریں۔ جو ان کی استعداد میں ہے۔ فوج کشی کرنا حکومت کا کام ہے۔ جو جس کے
اختیار میں ہے وہ کوشش کرے وہی اس کا جہاد ہے۔ یہ بات میں نے ضمناً ان دوست کی فرمائش پر عرض کر دی ورنہ مجھے خبر
نہیں کہ وہ یہاں کیا کہتے ہیں۔ اور اس کا کیا جواب ہے۔ یہ حضرات یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ بہت اچھی
طرح آپ کی رہنمائی کا وہ ایک نہایت اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ میں نے ایک بنیادی اور اصولی بات عرض کر دی۔ خواہ کوئی
ہو۔ کوئی نبوت کا دعویٰ کرے۔ اس کے لیے اصول یہ ہے کہ بنیادی طور پر حضور کی امت میں، حضور کی نبوت اور اسلام کے بنیادی
سٹرکچر میں ایک خلا، ایک کمی قبول کرتی ہو گی۔ "جو نہیں ہے" اور اگر نہیں ہے تو یہ زائد از ضرورت ہے۔ تو اسلام کی یہ خصوصیت
تھی کہ ابھی دنیا میں یہ آسانیاں نہیں آئی تھیں کہ حضور ساری انسانیت کے لیے اللہ کا پیغام لائے۔ پھر دوسرا کمال یہ ہے وہ پیغام
ایسا تھا جس کی دوسری خصوصیت اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمائی۔ کہ "یہ دین میں نے تمہارے لیے عین نوع انسانی مکمل کر دیا۔ اکملت لکم
اب اس میں کسی زیادتی کی گنجائش ہی نہیں۔ کوئی ایسی بات نہیں رہ گئی جس کے لیے کوئی نیا نبی آئے۔ یا کوئی نیا حادثہ رونما ہو۔ یا آپکی
نئے واقعہ کا انتظار کریں یا اسمیں کوئی کمی یا خلا ہو۔ بلکہ اس قدر مکمل کیا گیا ہے کہ " واکمل ..... علیکم نعمتی"۔ یعنی نوع انسانی بڑے
سے بڑا انعام جو بارگاہ الٰہی سے وصول کر سکتی ہے۔ اس دین کے ذریعے وہ انسانیت تک پہنچ گیا۔ اللہ کریم کی طرف سے وہ عطا کر دیا
گیا۔ اب انسانوں کے ذمہ ہے۔ اب انسانی کاوش۔ محنت، یقین اور اعتقاد پر ہے کہ وہ اس میں سے کیا کچھ حاصل کرتا ہے
اور یہ آیت کریمہ حج الوداع کو نازل ہوئی۔ یہ وہ حج ہے جو رسول پاک نے مدینہ منورہ سے جا کر مکہ مکرمہ میں ادا کیا۔ آپ کا پہلا اور
آخری حج تھا۔ اور اسی حج کو یوم جمعہ کہتے ہیں۔ اسی لیے جبکہ یوم الجمعہ اور یوم عرفہ اکٹھے آجائیں تو اس کو
"حج اکبر" کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے وہ خطبہ عالیہ جسے منشور انسانیت کہا گیا۔ جس روز ارشاد فرمایا۔ وہ دن جمعہ کا بھی

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

تھا۔ یوم عرفہ بھی تھا۔ اور آقائے نامدارؐ کے حج کا دن بھی تھا۔ اس روز اسی میدان عرفات میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اس کے بعد ایک آدھ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جو حج کے فضائل کی تھی۔ اس کے بعد کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ اور وہاں سے رخصت ہو کر حضور ۸۰ یا ۸۴ یوم کے قریب اس دار دنیا میں تشریف فرما رہے پھر آخرت کو تشریف لے گئے یعنی اتنا یہ کم وقفہ تھا۔ اور یہ قرآن کی آخری آخری آیت تھی۔ اب آیئے کہ یہ جو تکمیل نعمت ہے اور انتہائے برکات ہے۔ اس میں کیا کچھ مسلمانوں نے حاصل کیا۔ اور اس کے نتائج ہمارے سامنے کیا ہیں آیئے اس پر ایک نظر ہو جائے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو معاشرہ میں جو صورتِ حال اس وقت تھی پوری انسانیت کی تاریخ میں اتنا بگڑا ہوا معاشرہ نہ اس سے پہلے نظر آتا ہے اور نہ اس کے بعد پھر روئے زمین پہ اتنا بگاڑ پیدا ہوا۔ یعنی آپ اندازہ فرمائیں کہ پوری زمین پہ ایک بھی شخص اللہ کے نام سے واقف نہ ہو۔

پوری زمین پر ایک پیشانی اللہ کے نام پر جھکنے والی نہ ہو۔ پوری زمین پہ ایک شخص حلال وحرام میں تمیز پیدا کرنیوالا نہ ہو۔ پوری روئے زمین پہ کوئی شخص پاک ناپاک، جائز ناجائز اور آخرت سے آگاہ نہ ہو۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ قتل و غارت، ظلم و بربریت شراب و جوا۔ لوٹ مار، آپ جس بات کو بدترین سمجھتے ہیں۔ سوچ لیں، گن لیں، وہ اس معاشرہ میں موجود تھیں۔ آپ جتنی بڑی فہرست برائیوں کی گن سکتے ہیں، گنتے چلے جائیں۔ آپ سے برائیاں ختم اور چھوٹ جائیں گی اس معاشرہ میں برائیاں باقی رہ جائیں گی۔ ہم جو آج کل کہتے ہیں ناکہ ہم پر معاشرہ کا دباؤ ہے۔ ہم مجبور ہیں یہ کام کرنے پر۔ لیکن ان لوگوں کا کیا ہوگا۔ جن کے پاس روئے زمین پر کوئی تیسرا نہیں تھا۔ جو ان کی بات اور ان کا ساتھ دینے والا ہوتا یا اس ہستی کی بات تو سنئے کہ جس پہ آسمان گواہ ہے کہ پوری اللہ کی زمین پہ اللہ کا ایک بندہ محمدؐ پوری انسانیت میں صرف "ایک فرد" بغیر کسی ظاہری طاقت کے۔ بغیر کسی خزانے کے، بغیر کسی لاؤ لشکر کے۔ بغیر کسی فوج کے اور عجیب بات ہے کہ ایک تاریخی عمل کو چیلنج کر رہا ہے۔ ایک زمانے کی روش کو روکنا چاہتا ہے۔ جس دھارے میں پوری انسانیت بہہ رہی ہے۔ اس کے راستے میں آکر کھڑا ہو گیا اور کہتا ہے میں اس کو پلٹ دوں گا۔ اور پھر حیرت اس وقت ہوتی ہے جب وہ پلٹ کر چشم عالم کو دکھا دیتا ہے۔ یعنی یہ تاریخ کا حصہ ہے۔ جو اس کو بھی ماننا پڑتی ہے جس کو ایمان نصیب نہیں ہوا۔ کہ پھر قرآن کریم کی تکمیل ہونے تک اس آیت کریمہ کے نازل ہونے تک پورے جزیرۃ العرب میں اسلام عملاً نافذ ہو چکا تھا۔ اللہ کا قانون نافذ ہو چکا تھا۔ اور اس پر عجیب بات یہ ہے کہ حضورؐ نے کوئی خاص لوگ درآمد نہیں کیے۔ کوئی کسی سے تبدیل نہیں کیے۔ کوئی نئے آدمی ڈھلوائے نہیں۔ اسی معاشرہ سے حضورؐ نے افراد لیے۔ اور ان میں کوئی ایسی بجلیاں بھر دیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیت فرمائی۔ حضورؐ نے جب دنیا سے پردہ فرمایا تو جزیرہ نما عرب تک اسلام تھا۔ اور آپ اپنی حیات طیبہ میں کبھی جزیرہ نمائے عرب سے باہر تشریف نہیں لے کر گئے۔ یعنی عجیب بات ہے، دعوت حضور دیتے ہیں، ساری انسانیت کو۔ وہ زمانہ ایسا ہے کہ آپ پیدل جا کر ہی کسی کو پیغام دے سکتے ہیں۔ خط بھیجنا ہے تو وہ بھی کسی سواری ہی لے کر جائے گا۔ کوئی موٹر نہیں گاڑی نہیں۔ کوئی میل نہیں۔ یعنی آدمی ہی چھٹی لے کر جائے گا۔ حضورؐ جزیرۃ العرب سے باہر تشریف لیکر نہیں گئے۔ لیکن ایک ایسی قوم انہیں افراد میں سے تیار کر لی، یہ تاریخی حقیقت ہے کہ قلیل وقت میں احکام الٰہی کی تکمیل ہوئی۔ اور اس کے ۲۲ برس بعد جب ہم دیکھتے ہیں تو منظر شہود پہ ایک سلطنت نظر آتی ہے۔ جو چین سے

http://kotwalsjarbooks.blogspot.com/

شروع ہوتی ہے۔ اسپین تک چلی جاتی ہے۔ سائبیریا سے شروع ہوتی ہے اور جنوبی افریقہ تک چلی جاتی ہے۔ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ قیصر و کسریٰ جیسی سپر پاور بہہ جاتی ہے اور روئے زمین پر "اللہ اکبر" کی آواز گونجتی نظر آتی ہے۔ بھلا اس زمانے میں کسی جھونپڑی میں بھی یہ بات نہ پہنچی ہو کہ اتنا بڑا انقلاب روئے زمین پر آگیا۔ تو کوئی انسان زمین پہ زندہ رہنے والا اس پیغام سے نا آشنا رہا ہوگا۔ ممکن ہی نہیں کہ اتنی بڑی جابر اور ظالم، قاہر سلطنتیں اس لپیٹ میں آگئے جہاں شعلے بھڑکتے تھے وہاں گلستان مہکنے لگے۔ اور نا معلوم دنیا کے تین حصوں میں بہار آجاتے۔ تو ایک طرف رہ جائے۔ کبھی ممکن ہی ہے۔ یعنی گداگر کے جھونپڑے سے لیکر شاہی محلات تک، وہ دعوت پہنچ گئی جو آپ نے صفا پر کھڑے ہوکر انسانیت کو دی۔ جس کے لیے اسوقت بظاہر کوئی سبب نظر نہیں آتا تھا۔ اور یہ تار، ٹیلی فون اور ٹیلیویژن ایجاد ہونے سے بہت پہلے پہنچ گئی تو کیسے پہنچی۔ جب ایران کی سلطنت کو پے در پے شکست ہو رہی تھی اور مورخین کا اندازہ ہے کہ جب نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان آیا اور اس کے بعد پھر روئے زمین پر آبادی بڑھی تو سب سے پہلے یہاں حکومت کا تصور بنا اور جو حکمران بنا۔ وہ یہ خاندان تھا جس کی حکومت عہد صحابہ تک ایران میں چلی آئی۔ اور اس پر بھی مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ حکومت ایک ہی خاندان میں رہی۔ اس زمانے سے لیکر صحابہ کے عہد تک یہ جابرانہ، ظالمانہ، قاہرانہ اور آتش پرست حکومت چلتی رہی۔ حتیٰ کہ ہمارے اردو کی ڈکشنری میں ایک لفظ ملتا ہے "سمندر" یہ ایک کیڑا ہے۔ ایک ایسا جاندار وہاں پیدا ہوتا ہے۔ جہاں سو سال تک مسلسل آگ جلتی رہے۔ وہاں کیڑے پیدا ہوجاتے ہیں جس کو "سمندر" کہتے ہیں۔ دنیا اندرون کا وجود آتش کدۂ ایران میں پایا گیا۔ یعنی تب سے یہ اوراق کی زینت بن کر یہ بھی ہوتا ہے۔ اب اتنی بڑی۔ اتنی قدیم سلطنت جس کے ایک ایک گورنر کے تابع پانچ پانچ لاکھ سپاہی تھے۔ اور عرب کے خانہ بندوش جن کو کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ صحراؤں میں اونٹوں کے بالوں کے ڈھیروں میں رہتے تھے۔ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنا جن کا کام تھا۔ جن کا کوئی گھر نہیں تھا۔ کوئی در نہیں تھا۔ کوئی کاروبار نہیں تھا۔ کوئی نظام نہیں تھا۔ عجیب بات ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں رہنے والوں کو کوئی حکومت اپنی رعیت قبول نہیں کرتی تھی۔ نہ قیصر نہ کسریٰ کہ بطور رعیت قبول کریں گے تو کچھ دینا پڑے گا۔ ان سے وصول کچھ نہیں ہوگا۔ یعنی اس قدر گئے گزرے لوگ تھے کہ رستم نے جو ایران کا آخری جرنیل تھا۔ میدان جنگ میں اترا۔ ایران کی طرف سے اس نے جو کچھ کیا تھا۔ مولانا رومیؒ نے اسے منظوم الفاظ میں بیان کیا ہے۔

تف ہے اے بوڑھے آسمان تم پہ بھی۔ کہ اتنی بڑی سلطنت پہ یہ آس لگائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ یہ اس کی سمجھ میں بات نہیں آتی تھی کہ، یہ کیسے ممکن ہے کہ چند خانہ بدوش جن کا کوئی اپنا سسٹم نہیں۔ کوئی نظام نہیں۔ سلطنت نہیں۔ کوئی حکمران نہیں۔ کوئی قاعدہ ضابطہ نہیں۔ کوئی ادارہ نہیں۔ کوئی ٹریننگ نہیں دیتا۔ کوئی انہیں تربیت نہیں دیتا۔ کہیں سے باقاعدہ فوج نہیں لاتے۔ کچھ بھی تو نہیں ہوتا۔ ایک اللہ کا بندہ اور ایک مسجد۔ جو شخص وہاں جاتا ہے کوئی جرنیل بن جاتا ہے کوئی کمانڈر بن جاتا ہے۔ کوئی فقیہ بن جاتا ہے۔ کوئی محدث بن جاتا ہے۔ کوئی معلم بن جاتا ہے۔ کوئی مفکر بن جاتا ہے۔ پوری روئے زمین کی قیادت وہاں سے پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ کیا یہ قابل غور اور عجیب بات نہیں ہے کہ ہم اپنے جرنیل ہی کو لے لیں۔ ایک بچے کو جرنیل بننے کے لیے ایک عمر لگتی ہے۔ بھوئیں سفید ہونے لگتی ہیں تو وہ جرنیل بن جاتا ہے۔ ایک شخص کی عمر لگتی ہے اور دوسری طرف ایک ملک کے سارے وسائل لگتے ہیں۔ اسے روئے زمین کے سارے ہر اس ادارے سے جہاں

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

سے اسے فوجی تربیت حاصل کر سکتا ہے۔ اسے وہاں سے گزارہ جاتا ہے۔ پھر بھی لاکھوں میں سے کوئی ایک جرنیل بنتا ہے۔ اور سارے جرنیلوں کے نام تاریخ کا حصہ نہیں بنتے۔ ان میں سے کوئی جرنیل ہی کامیاب ہوتا ہے۔ حضورؐ کے سامنے جو اونٹ چھوڑ کر آیا۔ آپ نے اس کو فوج کی قیادت سونپ دی۔ تاریخ کی جرأت نہیں ہے کہ اس جرنیل کو اپنے صفحوں پہ سے نکال دے۔ کسی مخالف کو جرأت نہیں ہے کہ اس پہ انگلی اٹھا سکے۔ معترض کو جرأت نہیں پڑتی کہ کہیں سے گرفت کرے۔ یعنی آج تک ہمارے مستشرقین جو مغربی اقوام میں ہیں۔ یہ خود ان باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ تین تین مہینوں کا صحرائی سفر انہوں نے گھوڑوں کی پیٹھوں پر بیٹھ کر بغیر پانی کے بغیر راشن ۱۵ دنوں میں کیسے طے کر لیا۔ یہ بات ابھی تک ان کی سمجھ میں آج بھی نہیں آتی۔ آج بھی یہ سوال ان کے ذہن اور تاریخ میں موجود ہے کہ تین لاکھ سپاہیوں کے مقابلہ میں ۳۰ ہزار جاتے ہیں۔ اور ۳ لاکھ کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر کیسے پھینک دیتے ہیں؟ کیسے ممکن ہے۔ یہ آج بھی مستشرقین کے پاس سوال کے سوال پڑے ہیں۔ لیکن ان کے پاس جواب نہیں یعنی تاریخ کا حصہ ہے۔ انکار نہیں ہو سکتا کہ کیوں ہوا ایسے۔ اس کی سمجھ ان کو نہیں آتی۔

یہ تھی وہ نعمت الٰہی کہ جس نے آنے والے کو ایک ایسا جذبہ ایک ایسی سلار، ایک ایسا جنون عطا کر دیا۔ جس نے نہ صرف اس کے شعور میں وہ زبردست بالیدگی پیدا کر دی کہ نہ صرف مخلوق بلکہ وہ خالق کو بھی پہچاننے لگے۔ یعنی جو فعل، جو وجود جو انسان کی سوچ اللہ تک پہچاننے لگ جائے۔ مخلوق کو پہچاننے سے وہ قاصر رہتا ہے؟ اس جتنا ذہین اور کون ہو گا؟ اس کے ساتھ وہ قرب الٰہی نصیب ہوا کہ جس طرف وہ رُخ کرتے تھے تائید باری ساتھ جاتی تھی۔ اس کے لیے مختصراً عرض کر دوں کہ یہ جو کچھ پہنچا وہ آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے پہنچا۔ کیونکہ سارے انعامات آ کر وہاں تمام ہو گئے تو اسی پہ قصہ ختم ہوا۔ ضرورت ہی نہ رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے جو انعامات انسانیت کو پہنچے۔ آپ انہیں فیوضات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ لیجیے۔ آپ ان کو دو حصوں میں بانٹ سکتے ہیں۔ ایک ہے تعلیمات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تعلیمات آقائے نامدار میں ہے۔ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ یہ فہرست اللہ کی کتاب، کلام اللہ کا ہے۔ لیکن ہم تک نبیؐ رحمتؐ کی تعلیمات کے ذریعہ پہنچا۔ اور ایک ہستی ہے روئے زمین پر کہ جس کے ساتھ کسی دوسرے گواہ کی رب نے ضرورت نہیں محسوس کی کہ کسی دوسرے کو بھی ساتھ ہی سنوا دیتا۔ جو کہہ سکتا کہ جو حضور نے سنا ہے وہ میں نے بھی سنا ہے بات ایسے ہے۔ اللہ فرماتا ہے "وکفیٰ باللہ شہیدا" کہ بھئی ضرورت ہو تو میں کافی ہوں" یعنی ساری انسانیت کے عمل کا مدار ایک ہستی کے ارشاد پر ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس لفظ کو آپ نے بتایا کہ یہ قرآن ہے۔ وہی قرآن ہے اور جو آپ نے اس کا معنیٰ ارشاد فرمایا، وہی صحیح معنیٰ ہے۔ یہاں بڑے دھوکے ہوتے ہیں یاد رکھیے۔ کیونکہ قرآن کریم ایسی کتاب نہیں ہے جسے یاد رکھیں۔ جیسے اللہ کے نبی کے بغیر سن کوئی نہیں سکتا۔ اس کتاب کو نبی کے بغیر کوئی سمجھا بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ فرائض نبوت میں سے ہے۔

یہ جتنے ڈاکٹر ہوتے ہیں۔ یہ قرآن کی آیت پڑھتے ہیں۔ معنی اسے اپنے پہناتے ہیں۔ اسے اگر کہا جائے کہ یہ معنی نبی رحمت سے دکھا دو۔ صحابہ نے یہ سمجھا تھا۔ حضور نے یہی سمجھایا تھا۔ تو ہمارا سر تسلیم خم ہے۔ کیونکہ ہم نے وہیں سے لینا ہے۔ یہ آج کے منصب نبوت کا حصہ ہیں۔ لیتوبین اللناس ... یا انزل … لوگوں کو آپ سمجھایئے۔ ان کی طرف .... تو کیا مفہوم ہے یہ ان سے لیا گیا ہے۔ انہیں دیا گیا ہے۔ انہیں کیا کرنا ہے۔ اس لیے قرآن کے

http://owaisiahbooks.blogspot.com

ساتھ آپ کی حدیث ہے۔ جو قرآن کی تفسیر ہے۔ آپ نے دیکھا جو کوئی بدمعاشی کرنا چاہے۔ تو سب سے پہلے حدیث کا انکار کرتا ہے جو اس سے کم پہ آئے۔ وہ روایت حدیث یعنی صحابہ کرام پر آتا ہے۔ ان پر اعتراض کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ان کی سمجھ میں ٹھیک نہیں آیا۔ میں ٹھیک سمجھ پایا ہوں۔ یہ ان سب کی مجبوریاں ہیں۔ اپنی بات اگر داخل نہ کریں تو وہ کوئی چوری نہیں ہو سکتی۔ اور لوگوں کو چاہیے کہ وہ اللہ کے قرآن کی تفسیر و تشریح قبول کریں جو اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمائی۔ بڑا سادہ سا اصول ہے۔ اسمیں سب عبادات، نماز، روزہ، زکواۃ، حج وغیرہ۔ آجاتی ہیں۔ حلال و حرام حتیٰ کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں چھوٹا سے چھوٹا کام، بچے سے بات کرنا، والدین سے گفتگو کرنے، دکان سے سودا خریدنا، وضو کرنا۔ تیمم کرنا، کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے سے لیکر سیاست، حکومت، سلطنت، معاہدے، بین الاقوامی معاہدے، کافروں اور مسلمانوں کے آپس میں معاہدہ و صلح نامے، سارے دنیا ہر ہر جگہ، نقوش کف پائے رسولؐ اسطرح روشن ہیں کہ اتنا روشن سورج بھی نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ دوسرا حصہ ہے برکات نبوت برکات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ یاد رکھیے گا۔ "فیوضات نبوت" دو حصوں میں پہنچے۔ ایک، تعلیمات پیغمبرؐ اور دوسرا ہے۔ برکات محمدؐ۔

برکات نبوت کیا ہے؟ آپ دیکھیے نبی افضل ترین ہستی ہے۔ نبوت کے بعد ساری انسانیت میں افضل ترین ہستی ہوتا ہے صحابی۔ قرآن کا جو تصورِ مومن ہے۔ وہ بڑا عجیب ہے۔ قرآن کی نگاہ میں ہر مسلمان "ولی اللہ" ہے یعنی قرآن کے پاس ایک تصور ہے مسلمان کا وہ یہ ہے کہ ہر مسلمان بنیادی طور پر "ولی اللہ" ہے۔ اور جسے اپنی ولایت پر شک ہے۔ اسے اپنا عقیدہ ٹٹولنا چاہیے۔ اسے اپنا ایمان تلاش کرنا چاہیے۔ اسے اپنا یقین تلاش کرنا چاہیے۔ ہم جسے ولی اللہ کہتے ہیں۔ ہم اسے اپنی طرف سے کہتے ہیں۔ کیا جانے وہ ولی اللہ ہے بھی کہ نہیں۔

یہ ہمارا حسن ظن ہے۔ جسے اللہ نبی کہہ دے۔ اسمیں تو کوئی شبہ نہیں۔ تو ہر مومن کے لیے صرف سند ہے کہ

" اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ....

یعنی جیسے ہی کوئی ایمان لاتا ہے اس کو اللہ کی ولایت نصیب ہو جاتی ہے۔ اب یہ اس کے ذمہ ہے کہ وہ اللہ کی ولایت چند لقموں کے عوض بیچ دیتا ہے۔ کسی دنیاوی آسائش کے لیے بیچ دیتا ہے۔ کسی انا اور ذاتی خواہش کیلئے بیچ دیتا ہے۔ تو یہ ظلم اگر کرتا ہے تو انسان کرتا ہے۔

ادھر سے عطایہ ہوتی ہے کہ جیسے ایمان لایا فرمایا میں اسے اسی وقت اپنا ولی نامزد کر دیتا ہوں۔ وہ میرا دوست ہے۔ میری ولایت میں داخل ہو گیا۔ یہ ولایت اعمال ہے۔ کچھ لوگ اللہ فرماتا ہے، بکتے نہیں۔ وہ ذرا مضبوط ہوتے ہیں۔ وہ کہہ دیتے ہیں اللہ ہمارے پالنے والا ہے،...... پھر وہ جم جاتے ہیں۔ اللہ کے دروازے سے نہیں ہٹتے۔ معاشرے کا دباؤ ہو۔ دنیا کی لذتیں ہوں۔ رنگینیاں ہوں۔ دنیاوی مصلحتیں ہوں۔ کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ ثم استقاموا...... وہ اللہ کے دروازے سے نہیں ہٹتے۔ کوئی دنیا کی طاقت و ضرورت انہیں رب کی نافرمانی پہ مجبور نہیں کر سکتی۔ ان کی زیارت تو فرشتے کرتے ہیں۔ ایسے لوگ زمین پہ بستے ہیں کہ جنہیں دیکھ لیں تو آسمانوں پر بسنے والے بھی ترستے ہیں۔ اگر ساری مخلوق کو یہ ولایت خاصہ نصیب ہو جائے۔ جن کی زیارتوں کو فرشتے ترستے ہیں اور ان سب کی ولایت جمع کی جائے تو جہاں ختم ہو گی۔ وہاں سے تبع تابعین کے مراتب شروع ہوں گے۔ جہاں

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

ان کے مراتب ختم ہوں گے۔ وہاں سے تابعین کے درجات شروع ہوں گے اور جہاں وہ ختم ہوں گے، وہاں سے ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کا مقام شروع ہوتے ہیں اور جہاں صحابیت کی حد ختم ہوگی۔ وہاں سے نبوت کی حد شروع ہوگی۔ تو ولی بننے کے لیے اگر اتنے ایثار کی ضرورت ہے۔ تو صحابی بننے کے لیے بڑا کام کرنا ہوگا۔ تو بھلا صحابیت کے لیے کیا کرنا پڑا۔

ایک رباعی ہے۔

ے من .... دل می فروشاں۔

کسی نے آواز لگائی میں دل کے ٹکڑے بیچتا ہوں۔ دل بیچتا ہوں کوئی لے لو۔

ے بہ گفتہ چہ .... اس نے کہا قیمت بتاؤ۔ کتنے پیسے میں دو گے۔

ے گفتم اک نگاہ .... کہا ایک نگاہ میں بیچتا ہوں۔

گفتہ ..... کم تر .... کہا۔ کچھ کم کرو۔ دام گھٹاؤ۔ کبھی کسی نے منہ مانگے دام دیئے ہیں۔ گفتم کہ نگاہ .... میں نے کہا زندگی میں اک نگاہ دے دو۔ میرے بھائی زندگی میں یہ اک نگاہ رسول پاکؐ کی جس پر پڑی وہ صحابی بن گیا۔ یعنی رسول کریمؐ نے یہ نعمت اس طرح لٹائی کہ بحالت ایمان جو بھی ایک بار آپ کی خدمت عالی میں پہنچا۔ بیک نگاہ وہ صحابی بن گیا۔ کوئی ایسی چیز تھی سینہ اطہر میں۔

قلب اطہر میں، صحبت عالی میں، جو منعکس ہو جاتی تھی۔ ریڈ ایٹ ہوتی تھی۔ آنیوالے کے دل میں۔ سینے میں اتر جاتی تھی۔ آتا تھا تو عرب کا بدو، جاتا تھا تو محمد رسول اللہ کا صحابی۔ آتا تھا تو دنیا کا طالب۔ جاتا تھا تو آخرت سے بھی مستغنی، آتا تھا تو جاہل۔ جاتا تھا تو عالم۔ آتا تھا تو سپاہی۔ اٹھتا تھا تو جرنیل ہوتا تھا۔ ایسا کوئی جذبہ بھر جاتا تھا اندر۔ یعنی صحابی بن کر دی شخص نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ صحابی بن کر وہ شخص بنا کہ انہوں نے دنیا میں بھی وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ جن کی مثال تاریخ نہیں پیش کر سکتی۔ اور دین میں بھی وہ استقامت دکھائی کہ قیامت تک آنیوالی انسانیت کے لیے ان کے پیچھے چلنے کا حکم دے دیا۔ اس سے بڑا اعزاز کیا ہوگا کہ اللہ فرماتے ہیں۔

والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار ....

جو خلوص دل سے ان کے پیچھے چلے۔ میں ان سے راضی ہوں۔ اور میں اس کو راضی کر کے چھوڑوں گا۔ یعنی جب تک اس پر انعام کرتا رہوں گا کہ جب وہ کہہ اُٹھے گا۔ خدایا بس بھی کر۔

میرے خیال میں ہم سے دو جگہ کوتاہی ہوئی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم نے تعلیمات محمدؐ کی طرف توجہ کم کر دی۔ لیکن اللہ کی عطا سے کچھ نہ کچھ، کسی حد تک، تعلیمات کی طرف تو رہے۔ کبھی قرآن پڑھا۔ کبھی نماز پڑھی۔

برکاتِ محمدؐ کی طرف تو میرے خیال میں تم نے سوچنا ہی چھوڑ دیا اور یہ اس قدر ناپید ہوئی کہ ہمارے سینے ویران ہو گئے۔

زبانوں پہ اللہ کا نام اور دلوں میں دنیا کی محبت، کوئی فضا خالی تو نہیں رہتی۔ ایک چیز نکال دیں تو وہاں دوسری چیز آجاتی ہے۔ دل بھی تو خالی نہیں رہتا۔ اگر وہ خالی ہوگا تو اس کے مقابلہ کی زد آجائے گی۔ تو اللہ کریم نے جس طرح سے تعلیماتِ نبوت کو بندوں تک پہنچانے کے لیے انتظام کیا اور خاص خاص بندوں سے خدمت لی۔ کسی سے فن تفسیر کی۔ کسی نے فن حدیث کی۔

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

کسی سے فیض ملی۔ یعنی ایک ایک نصاب نبوت ہم تک پہنچانے کے اسباب بناتے۔ اسی طرح برکاتِ نبوت کو بھی ہم تک پہنچانے کے لیے بڑے بڑے علماء اور بڑے بڑے عظیم انسان پیدا کئے۔ جنہوں نے عمریں صرف کر دیں۔ اہل اللہ کی صحبتوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے رہے۔ اور ان سے اللہ اللہ سیکھتے رہے اور روشنیوں کو آنے والے کو دیکر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ہماری عدم توجہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن خانقاہوں میں کبھی انوار برستے تھے۔ وہاں دنیا داروں نے ڈیرے جما لیے۔ نااہلوں نے تسلط جما لیا اور جہاں دل پالش ہوتے تھے وہاں دنیا کے لیے ایک دوسرے کی داڑھیاں نوچی جانے لگیں۔ ایک دوسرے کو لڑایا جانے لگا۔ اور یوں ہم اس بربادی کی طرف نکل چلے۔ جس کی طرف ہمیں آقائے نامدار نے جانے سے منع فرمایا۔ ہم نے نہ صرف اپنی اصل میراث چھوڑ دی۔ بلکہ ہم نے ایک قلب، کی جگہ زہر کھانا شروع کر دیا۔ اور جو دل کی آبادی کی جگہیں تھیں، وہاں ہم نے ویرانیاں مسلط کر دیں۔ ان کا ذمہ دار ہیں اور آپ ہی گردانے جائیں گے۔ جو ہم نے یہ رویہ اپنا لیا کہ ہمیں کیا وہ جانیں اور ان کا کام۔ ہمیں نہیں ہے تو یہ دین پیر کا ہے مولوی کا ہے؟ نہیں میرا اور آپ کا بھی ہے۔ اللہ صرف ایک، خاندان کا نہیں ہے۔ میرا اور آپ کا بھی ہے۔ صحابی بننے کے لیے خاندان کی قید نہیں ہے، علم کی نہیں ہے۔ مرد اور عورت کی قید نہیں ہے۔ قید ہے تو صرف یہ کہ ایمان لا کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچنے کی۔ پیر بننے کے لیے کون سی نسل کی ضرورت ہے؟ کہ فلاں خاندان کا بن سکتا ہے۔ فلاں نہیں بن سکتا۔ یہ کس نے کہا۔ ارے مسلمان سارے پیر ہیں۔ اور سب کا پیر ہے محمد رسولؐ۔ سارے طالب ہیں اس کی بارگاہ کے۔ اس سے مانگو تو سہی۔ شاگردی شرط ہے کہ وہاں سے لیکر جس نے آگے پہنچا دی۔ وہ قابلِ صد احترام ہے۔ اس کا ہی احسان ہے کہ حضورؐ کا ایک لفظ بتا دے۔ حضور کی سانسوں سے معطر۔ ایک سانس ہم تک پہنچا دے۔ لیکن پہلے ہم اپنا قبلہ راست کر لیں۔ ہم اس چیز کے متلاشی تو نہیں۔ دیکھیں جب ہم کپڑا لینے جاتے ہیں تو جوتے والے کے پاس نہیں جاتے۔ کبھی فروٹ والے کی دکان پہ ہم جوتے خریدنے نہیں جاتے۔ اتنا اگر ہم میں عقل اور شعور ہے تو جب از خود ان کے پاس دین نہیں ہے تو ہم دین لینے اس کے پاس کیوں جاتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا مولوی بگڑ گیا ہے۔ ہمارا پیر خراب ہے تو بھی بگڑے ہوئے مولوی کے پاس کیوں جاتے ہیں۔ ایسے ہی جیسے آپ اجڑی ہوئی دکان پر سودا لینے نہیں جاتے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم بھی بگڑ گئے ہیں۔ ہم نے بھی جان بوجھ کر اس طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ دنیا کے معاملے میں ہم آنکھ بند نہیں کرتے۔ دنیا کے معاملہ میں آنکھ بند کرتے۔ دین کے معاملہ میں آنکھ بند کر لیتے ہیں کہ چلو بھی خانہ پری کر لو۔ آپ پر اللہ کا احسان ہے۔ یہ جو برطانیہ کا جنوبی علاقہ ہے۔ وہاں دیکھیں کتنا برا حال ہے۔ ایک دوسرے کی مسجدوں کو گرانے کے درپے ہیں۔ تالہ لگانے کے درپے ہیں۔ ایک دوسرے کی داڑھیاں نوچی جا رہی ہیں۔ برطانوی پولیس...... کافر پولیس بیچ بچاؤ کراتی ہے۔ مسلمان ہیں کہ ایک دوسرے کے پیچھے لگے ہیں۔ یہ دین ہے کہ اسلام ہے؟ یہ اللہ کی طلب ہے، یا رسول اللہؐ کی سنت ہے؟ اور پھر شکایت کرتے ہیں کہ دیکھو یہ جوتے پہن کر مسجد میں آگیا۔ میں نے کہا بھائی ہمارے ہاں پاکستان میں مسجدوں میں سے کتے بھی گزر جاتے ہیں۔ فرش دھو لیا جاتا ہے۔ کیا کریں مجبور ہیں۔ لیکن یہ انسان مسجد سے زیادہ محترم ہے۔ جس نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ یہ سنت جو اس نے چہرہ پہ سجا رکھی ہے۔ اس کی توہین کا ازالہ کوئی نہیں۔ جس کو تو نے مٹھی میں لے رکھا ہے۔ تو مسلمان ہو کر اتنا ظلم کر رہا ہے۔ تو وہ تو پھر بھی کافر ہے۔ اگر گزر بھی آئے تو یہ تو اس کی ذمہ داری ہے کہ تیسرے ہاتھ سے اس کے بال چھڑ وائے۔ اور پھر اس کو بلوانے کا سبب

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

بھی تو ہم ہی بن رہے ہیں۔ کیوں؟ شاید اس لئے میری اپنی ناقص رائے ہیں۔ ہماری عدم توجہی ہے۔ ہمارے سینوں کو۔ ہمارے دلوں کو برکاتِ نبوت سے خالی کر دیا۔ اور ہماری یہ ضرورت ہے کہ ہم پھر اس گوہر گراں مایہ کو تلاش کریں۔ میرا دل تو چاہتا ہے کہ یہاں برطانیہ میں ۲۰ لاکھ مسلمان ہیں۔ یہاں تو برطانیہ والوں کو لرزہ براندام ہونا چاہیئے کہ یہ تو چند سالوں میں مسلم ریاست بن جائے گی۔ یہ تو ساری دنیا کو مسلمان کر دیں گے۔ ۲۰ لاکھ مسلمان۔ لیکن وہ بڑے مزے سے بیٹھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ذرا ان بڑے بوڑھوں کو دیکھ لیا جائے پیچھے آنیوالوں کو ہم نے روک دیا ہے۔ جو آچکے ہیں انہیں مرنے دیں۔ جو اگلے ہیں وہ تو ہمارے اپنے ہیں۔ انہیں کوئی فکر نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم انہیں سنبھال لیں گے۔ یہ جو وہاں سے آئے تھے۔ بن بنا کر۔ ذرا ان کو قبریں میں جانے دو۔ باقی جو ہیں ان کو ایک دو نسل بعد ہم اپنے اندر سمو لیں گے۔ حالانکہ حق یہ تھا۔ اور ہونا یہ چاہیئے تھا کہ جہاں ۲۰ لاکھ مسلمان دیکھیں۔ سری لنکا کی تاریخ دیکھیں۔ چند صحابہ گئے۔ آج تک سری لنکا کی تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ عجیب بات ہے کہ یہاں ۲۰ لاکھ ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمیں کھا جائیں گے۔ مکہ مکرمہ میں ایک دو یا پانچ سے شروع ہوئے۔ معاشرہ کا دباؤ بڑھا تو معاشرہ نے سمٹنا شروع کر دیا۔ انہوں نے پھیلنا شروع کر دیا۔ ہم ہیں کہ ہم سمٹتے جاتے ہیں۔ کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ ڈرتے جاتے ہیں۔ تو میرے بھائی خلاصہ ہے اور میرے خیالات میں ہم نے برکاتِ نبوت کی طرف توجہ چھوڑ دی۔ تعلیمات کی طرف بھی کم ہے۔ کچھ تو ہے لیکن برکات کی طرف تو ہم نے سوچا بھی کبھی نہیں۔ اور اللہ کریم یہ برکات ہمیں وافر مقدار میں عطا کرے۔ نصیب فرمائے۔ اہل دل کی صحبتیں نصیب فرمائے اور پھر سے عالم اسلام کو جوہر اور بہادری نصیب ہو۔

(بیان مرکزی مسجد اسلامک سنٹر گلاسکو انگلینڈ، ۱۱ جون ۱۹۸۸ء)

اسرار التنزیل

کی دوسری جلد چھپ چکی ہے

کیا

آپ نے اس کی کاپی حاصل کر لی ہے؟

پہلی اشاعت سے محدود تعداد باقی رہ گئی ہے، یہ نہ ہو کہ آپ کو

اگلی اشاعت کا انتظار کرنا پڑے

قیمت غیر مجلد -/۵۰ روپے

مجلد آرٹ پیپر -/۱۰۰ روپے

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

ہمارا مشن

حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ

ہمارے ہاں انتہا پسندی کا ایک رجحان سا بن گیا ہے اور دینوی امور میں بھی ہم انتہا پہ سوچتے ہیں۔ کوئی شخص کسی سے بیاسی اختلاف رکھتا ہو تو اسے سیاسی مخالف کہنے کی بجائے ملک کا غدار کہا جاتا ہے۔ یہی حال ہمارا دینی امور میں بھی ہے۔ معمولی سے اختلاف رائے پر بات ایک دوسرے کو کافر کہنے پہ چلی جاتی ہے۔ پھر خصوصاً یہ جو شعبہ تصوف کا اور ذکر و اذکار کا ہے۔ اس میں بہت ہی زیادتی ہو رہی ہے۔ اس میں ایک مکتب فکر تو وہ ہے جنہوں نے صوفی کو یا شیخ کو یا اپنے پیر کو وہ مقام دیا ہے جو اللہ جل شانہ کے لیے ہے اور یہ انتہا پسندی کی انتہا ہے۔

دوسرا مکتب فکر وہ ہے جس نے تقریراً بھی، تحریراً بھی اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ ذکر و اذکار، یہ تصوف اور یہ خانقاہیں یہ اللہ اللہ ہی اس قوم کی تباہی و بربادی اور پیچھے رہ جانے کا سبب ہیں یہ دوسری انتہا ہے۔

اس کے عوامل خواہ کچھ بھی ہوں یہ دونوں انتہائیں غیر حقیقت پسندانہ ہیں۔ اسباب کیا ہیں؟ وہ کچھ بھی ہو سکتے ہیں تصوف کے اسباب میں سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ عام آدمی کو تو چھوڑ دیں۔ ہمارا پڑھا لکھا طبقہ بھی اس سے واقفیت نہیں رکھتا۔ اگر زیادہ سے زیادہ کسی کو مس ہو تو وہ پرانے صوفیاء کے سوانح پڑھ لیتا ہے۔ حالات زندگی پڑھ لیتا ہے۔ جس میں بڑی عجیب بات ہے کہ ہر صوفی کی سوانح لکھنے والا خود تصوف سے نابلد ہے۔ میری نظر سے سوائے الابریز کے اور کوئی کتاب نہیں گزری جو کسی صوفی کے سوانح پر مشتمل ہو اور لکھنے والے کو تصوف سے بھی مس ہو۔ اب اس میں گورکھ دھندہ یہ بن جاتا ہے کہ بعض چیزیں جو خود اس صوفی کو پسند نہ تھیں یا خود ان کے نزدیک سستی، کوتاہی یا غلطیاں تھیں مگر لکھنے والے کیلئے کرامات بن جاتی ہیں۔

دوسری زیادتی یہ ہوئی کہ جب عام لوگوں کو اس سے واقفیت نہیں تھی۔ چونکہ یہ بہت قیمتی شعبہ تھا تو نااہلوں نے اور مکاروں نے اس گوشے میں پناہ لی۔ اس میں انہیں عافیت بھی مل گئی۔ بغیر مشقت کے کھانا بھی مل گیا۔ اور لوگوں کیطرف سے احترام بھی مل گیا۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو بڑی جدوجہد کے بعد حاصل ہوتی ہیں۔

انہوں نے اس کو بگاڑنے میں بہت زیادہ کام کیا۔ اب یہ صورت حال ہمارے سامنے ہے کہ ہمارے متعلق ایک

http://owaisiahbooks.blogspot.com

اچھے خاصے پڑھے لکھے طبقے کا خیال یہ ہے کہ جو آدمی ہمارے پاس بیٹھے گا۔ ہماری بات سُنے گا۔ وہ ایک ناکارہ شخص بن جائیگا اُن کے خیال میں ہم نے اپنی تحریروں میں، اپنی تقریروں میں ذکر کو اتنی اہمیت دی ہے کہ شاید کل کو ہم نماز روزے کو بھی غیر ضروری کہہ دیں اور ذکر کو ضروری کہہ دیں۔ یہ ایک رائے ہے جو ہمارے ایک اچھے خاصے پڑھے لکھے اور دانش ور طبقے نے ہمارے متعلق قائم کی ہے۔

کسی بھی موضوع پہ رائے دینے کا حق تو صاحب فن کو ہوتا ہے۔ جو اس فن کا ماہر ہو اور جو اس فن کا آدمی ہی نہ ہو، اسکی رائے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ عمارت کے متعلق کسی ڈاکٹر کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں اور کسی مرض کے متعلق کسی انجینئر کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہر ایک کا اپنا ایک فن ہے۔

حق تو یہ تھا کہ یہ لوگ اس فن کو سیکھتے، تجربہ کرتے۔ اپنے اوپر وارد کرتے، جو نتائج سامنے آتے اُن کے متعلق بات کرتے کہ یہ نتائج مثبت ہیں یا منفی، اچھے ہیں یا بُرے، مفید ہیں یا مضر۔

جو بات سامنے آئی ہے اس کے متعلق ہمارا مسلک کیا ہے؟ ہم کیا کرتے ہیں اور کیا کرنا چاہتے ہیں؟

ذکر کی جو اہمیت ہے یہ ہماری بتائی ہوئی نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے اسے اسی درجے کی اہمیت دی ہے کہ کسی مسلمان مرد یا عورت کو اس سے استثنیٰ نہیں بخشا۔ حتیٰ کہ خود نبی رحمتؐ کو ارشاد ہے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا اس کا مخاطب اوّل آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ اس قدر ضروری ہے کہ آپ کو اس منصب جلیلہ کے جو باوجود پوری مخلوق میں انفرادی ہے۔ ذکر کا حکم دیا گیا ہے اور اس پر حضورؐ کا عمل کیا تھا۔ تو حدیث میں موجود ہے کہ آپؐ ہر حال میں اللہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ علیٰ کل احیانہ کے الفاظ آتے ہیں۔ کوئی حالت آپؐ کی ایسی نہیں ہوتی تھی جس میں آپؐ ذکر نہیں فرمایا کرتے تھے۔ چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا۔ اب یہ جو ساری تاکید ہے اور یہ جو ذکر و اذکار کیئے جاتے ہیں۔ انکا حاصل کیا ہے۔ ذکر اس لیے کیے جاتے ہیں کہ خشوع الی اللہ نصیب ہو۔ اللہ جل شانہ کے ساتھ ایک ایسا لگن، نظر نہ آنے والا بیان نہ کرنے والا، ایک ایسا عینی اور اندرونی تعلق قائم ہو جائے کہ آدمی جہاں بھی ہو، جس حال میں بھی ہو کہ وہ اپنے رب کو واقعی اپنے قریب محسوس کرے۔ اس کو فائدہ کیا ہو گا۔ ایک فائدہ تو سب سے پہلے یہ ہو گا، اپنی کمزوری کا احساس نہیں ہو گا۔ بلکہ اس سے زیادہ بھروسا اسے اس مالک پہ ہو گا جو ہر وقت اس کے ساتھ موجود ہے اور جو قادر ہے ہر چیز پہ۔ اور جس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کے ہونے کی ضرورت ہی نہیں۔ جب اسے یہ مقام حاصل ہو جائے تو اس کا دوسرا یقینی اور حتمی نتیجہ یہ ہو گا کہ جو بات اللہ کو پسند نہیں اس کیلئے بندہ جرأت ہی نہیں کرے گا۔ وہ کام کرے۔ چہ جائیکہ اللہ پر بھروسہ سے اور اللہ کی امداد سے وہ کام کرنے جائے۔ جو کام کرنے سے اللہ نے روک دیا ہے اگر یہ ہمارا نصب العین ہو گا تو ذکر الٰہی ہمیں بجائے ناکارہ کرنے کے باکار ہی نہیں بلکہ ایسا کام کرنے کی توفیق عطا کرے گا جو بغیر ذکر کے ممکن ہی نہیں۔

ایسے بندے، ایسے لوگ، جنہیں کوئی بنیادی کام، کوئی دنیوی مصروفیت، کوئی بڑے سے بڑا سودا، کوئی بڑے سے بڑا منافع، کوئی بڑے سے بڑا دنیوی لالچ، اللہ کی یاد سے روک نہ دے۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ ذکر بھی کرتے ہیں، ذکر دوام بھی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ دنیا کے سارے کام کاج بھی کرتے ہیں۔ اگر وہ کام کرنا ہی چھوڑ دیں تو اس کام کے روکنے

http://owaisiaanbooks.blogspot.com/

کا تو کوئی مقصد ہی نہ رہا۔ ایک شخص ایک گوشے میں بیٹھ گیا وہ کام ہی نہیں کرتا تو اس کا کام اسے رد کرنے کو کب آئے گا۔

یہ بات ان لوگوں کی ہو رہی ہے جو اپنی زندگی میدان عمل میں بسر کرتے ہیں جو ضرورت پڑے تو جہاد بھی کرتے ہیں، اپنا پیٹ اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے رزقِ حلال پیدا کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں، تجارت کرتے ہیں، دوسرے معروف کاروباری طریقے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن ان میں اور دوسرے لوگوں میں فرق یہ ہوتا ہے کہ دنیا کی وہ مصروفیات انہیں یادِ الٰہی سے، ذکر الٰہی سے، اللہ کرنے سے روک نہیں سکتیں۔ وہ اللہ اللہ بھی کرتے ہیں اور دنیا کے سارے کام بھی کرتے ہیں۔

تو ہماری بنیادی دعوت ہی یہ ہے کہ سارے مسلمان دنیا کا ہر وہ کام کریں جس کو کرنے کی اجازت اللہ نے دی ہے۔ ان کے دین نے دی ہے۔ اُن کے نبی نے دی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اپنے آپ کو تائید باری کے قریب لے جانے کے لیے، رحمت باری کے قریب لیجانے کے لیے۔ اللہ جل شانہ کی تائید کو اپنے ساتھ شامل کرنے کے لیے، ان کے پاس واحد طریقہ ہے جو انہیں قرآن بھی سکھاتا ہے، اللہ کا نبی بھی سکھاتا ہے اور وہ ہے ذکر الٰہی، اللہ کی یاد۔

ایسے بندے جنہیں دینوی امور، دنیوی لالچ، اللہ کی عبادت سے، نماز سے، زکوٰۃ سے اور عبادت سے نہیں روک سکتے۔ اس لیے نہیں روک سکتے کہ يَخَافُونَ يَوْمًا يَتَقَلَّبُ فِيهَا الْقُلُوبُ وَالْاَبْصَارُ ؕ کہ انہیں اتنا پختہ یقین ہو جاتا ہے اللہ کے حضور پیشیگی کا کہ وہ یوم حشر سے ڈرتے ہوئے خدا کی نافرمانی کی جرأت نہیں کرتے۔ نہ صرف یہ کہ ان میں گناہ کی جرأت نہیں رہتی بلکہ جو اطاعت کا کام کرتے ہیں وہ اس خشوع سے اور اس خضوع سے اور اس خلوص سے کرتے ہیں کہ قرب الٰہی کے طفیل انسان کو نصیب ہو جاتا ہے۔ اب صورتِ حال یہ ہوگی کہ جو آدمی جس فیلڈ میں ہے وہ اس فیلڈ میں پوری دیانتداری سے کام بھی کرے۔ اس کی ذمہ داریاں قومی، ذاتی یا خانگی ہیں ان کو بھی حسب توفیق پورا کرکے اللہ اللہ کرتا ہو، ذکر کرتا ہو، اور ان امور میں اللہ سے امداد چاہتا ہو۔ پورا اترے گی۔ اسے یہ طعنے دینا کہ یہ بے عملی کا سبق ہے۔ میرے خیال میں یہ زیادتی ہے۔ بغیر حالات کو جانتے ہوئے۔

میں آپ کو ایک چھوٹا سا واقعہ سناؤں گا۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ جو لوگ ہمارے ساتھ اللہ اللہ کرتے ہیں وہ فرشتے بن گئے ہیں۔ کیونکہ میں خود فرشتہ نہیں ہوں۔ ایک آدمی ہوں، مجھے بھوک بھی لگتی ہے۔ نیند بھی آتی ہے، بیمار بھی ہوتا ہوں، تھکاوٹ بھی ہوتی ہے۔ جب یہ سارے امور میرے وجود کے ساتھ موجود ہیں تو میں گناہ بھی کر سکتا ہوں۔ اللہ کریم مجھے اس سے محفوظ رکھے۔ جب تک سانس چل رہا ہے۔ نفس اور شیطان کے شر سے پناہ دے۔ ورنہ سوائے نبی کے کوئی بھی معصوم نہیں ہے۔ ہاں اللہ اللہ کرنے سے آدمی محفوظ ہو جاتا ہے۔ حفاظت الٰہیہ اسے نصیب ہو جاتی ہے۔ قرب الٰہی کی وہ کیفیات جو اس کے دل میں موجود ہوتی ہیں اُن کے ساتھ اللہ کی طرف سے حفاظت اور اللہ کی طرف سے تائید نصیب ہو جاتی ہے یہ گناہ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ میرے اپنے ناقص خیال کے مطابق جتنے لوگوں کا اس جماعت کے ساتھ سابقہ پڑا ہے۔ ان سے کوئی بھی آپ کو ایسا نظر نہیں آئے گا جو اپنے فیلڈ میں ناکارہ ثابت ہوا ہو بلکہ اللہ اللہ سے انہیں مزید قوت ملی۔

میں پچھلے دنوں شمالی علاقہ جات میں تھا وہاں ہمیں ایک این ایل آئی کا سنٹر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ این ایل آئی ہماری ایک فوج ہی ہے۔ جو شمالی علاقہ جات میں کام کرتی ہے اس کا سنٹر بھی وہیں ہے۔ اور کوشش یہی ہوتی ہے کہ مقامی لوگ ہی اس

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

میں ہوں۔ کیونکہ وہاں رہنا، وہاں کے موسمی حالات میں وہاں گزارا کرنا ہماری نسبت یہ سب ان لوگوں کے لیے بہت آسان ہے۔ سنٹر کا کمانڈنٹ فُل کرنل ہوتا ہے۔ بہت سا پیتل بھی اس کے کندھے پر ہوتا ہے۔ وہ سرخ کالر بھی پہنتا ہے اور اس کے سر پہ جو ٹوپی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ریڈ ٹیپ بھی ہوتی ہے۔ فوج کی ایک اصطلاح بھی ہے۔ ریڈ ہیڈز۔ سرخ ٹوپیوں والے۔ یہ سب سے اونچا لیول جن فوجی افسروں کا ہوتا ہے انہیں ریڈ ہیڈز کہتے ہیں۔ یہ لیول فل کرنل سے شروع ہوتا ہے اور جرنیل تک جاتا ہے۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ اتنا اقتدار ایک آدمی کو رب کریم نے دیا ہو کہ پاؤ بھر پیتل اس کے کندھوں پر ہو۔ پورے پاکستان کی فوج اس کو سیلوٹ کرتی ہو۔ ایک پورا سنٹر اس کے زیر کمان ہو اور وہ اس کا پورا حاکم ہو۔ اس کے سر پہ سرخ فیتے والی ٹوپی بھی ہو۔ اس کے کالروں پہ سرخ بیجز بھی لگے ہوں۔ وہ آدمی کیسا ہونا چاہیے؟ جیسا کہ ہماری عمومی زندگی میں ہے بالکل ایک صاحب قسم کے آدمی کا تصور ذہن میں آتا ہے۔

آفیسرز میس میں ہماری چائے تھی۔ وہ بڑا تاریخی قسم کا آفیسر میس ہے۔ جہاں این۔ ایل۔ آئی سنٹر ہے وہ مہاراجہ کشمیر کا کبھی ایسا آرام کرنے کا مقام یا سنٹر ہوا کرتا تھا۔ جس میں وہ ذاتی طور پر آتا تھا۔ اور جو اس کے ذاتی تصرف کا محل تھا۔ اس میں ان افسروں کا آفیسرز میس ہے۔ اس کے سامنے بڑا سبزہ زار لان اور بڑی اچھی جگہ ہے۔ ہمارے لیے باہر کرسیاں صوفے لگے ہوئے تھے۔ سارے سنٹر کے آفیسرز موجود تھے۔ ہم نے چائے کا کپ پینا یہ پروگرام یہ تھا۔ چائے کا کپ پئیں گے۔ عصر کی نماز پڑھیں گے دس پندرہ منٹ آفیسرز سے اسی موضوع پر گفتگو کریں گے۔ پھر اجازت لیں گے۔

ابھی ہم چائے ختم نہیں کر پائے تھے۔ کسی کی پیالی میں آدھی چائے باقی تھی کسی کے دو گھونٹ باقی تھے۔ ایک طرف لان میں صفیں بچھی ہوئی تھیں۔ عصر کا وقت ہو رہا تھا۔ اچانک بڑی مترنم آواز اذان کی آئی۔ آپ اندازہ کریں کہ جونہی میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ شخص اذان کہہ رہا تھا جو اتنے بڑے سنٹر کا انچارج تھا اور پوری شرعی داڑھی اس شخص کے چہرے پر سجی ہوئی تھی۔ میں نے واقعی محسوس کیا کہ

"ملاں کی آذاں اور، مجاہد کی آذاں اور"

بڑا فاصلہ ہے ایک بے اثر، بے مصرف آدمی کے آذان کہنے میں اور ایک اتنے موثر آدمی کے آذاں کہنے میں، جسے پاکستان کی پوری فوج سلوٹ کرنے پر مجبور ہو۔ میں جو اس مسجد میں بیٹھا ہوں۔ میرے اور اس کے آذاں کہنے میں بڑا فرق ہے۔ آذاں کے بعد نماز کی باری آگئی تو انہوں نے امامت کے لیے مجھے مجبور کیا۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں میرا اپنا دل یہ چاہتا تھا کہ اس شخص کی اقتدا میں اگر ایک نماز پڑھی جائے تو شاید یہ نجات کا سبب بن جائے۔ کتنے قیمتی ہیں یہ لوگ کہ اس دور میں جو عمومی برائی کا دور ہے۔ اتنا اثر، اتنی قوت اور اتنا اقتدار اور اتنا اختیار رکھتے ہوئے جنہیں اپنے اللہ کا اتنا قرب نصیب ہے کہ چائے کی پیالی ختم کرنے میں بھی وہ یہ احتیاط کرتے ہیں کہ دوسروں سے پہلے ختم کرلیں تاکہ اللہ کی طرف دعوت دینے کے لیے کوئی اور نہ کھڑا ہو جائے۔ امت مسلمہ کا وہ تاریخی دور سامنے آجاتا ہے۔ جب روئے زمین پہ مسلمان معزز و محترم تھا۔

لیکن یہ شخص شروع سے ایسا نہیں تھا۔ یہ شخص پاکستان کے دوسرے آدمی آفیسروں کی طرح ایک بڑا مشہور آدمی

آفیسر تھا۔ اسے ان بلندیوں پر اگر پہنچایا تو انہیں محافل ذکر نے اور اسی اللہ اللہ نے۔ اسے یہ قوت بخشی، یہ سپرٹ بخشی کہ وہ روزانہ فوج کا کام اپنے جیسے دوسرے فوجی آفیسروں سے کئی گنا زیادہ کرتا ہے اور جو وقت بچ جاتا ہے اس میں آذانیں بھی کہتا ہے۔ درس بھی دیتا ہے اور تبلیغ کے لیے بھی وقت نکال لیتا ہے۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

یہ وہ نتیجہ ہے جو ان محافل ذکر سے حاصل ہوتا ہے اور یہ لوگ ثمر ہیں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی چوراسی سالہ محنتوں کا، مشقتوں کا، مجاہدوں کا۔ اب اگر کوئی شخص بغیر دیکھے۔ بغیر سوچے سمجھے۔ ایک مروجہ روش کی پیری مریدی پر قیاس کر کے فتویٰ دے تو یہ اس کی زیادتی ہے۔

میں نہ صرف اس الجھن کا جواب دے رہا ہوں بلکہ یہ بات دوبارہ باور کروا رہا ہوں کہ ہمارا مشن دنیا کو چھوڑ کر بیٹھ رہنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ دنیا ہمارے رب کی ہے۔ اس نے سب کو رہنے کے لیے دی ہے۔ لیکن ہمیں اسے سنوارنے کے لیے بھیجا ہے ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ باقی لوگ رہنے کو، کھانے پینے کو، زندگی بسر کرنے کو آتے ہوں گے۔ لیکن جسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نصیب ہوا ہے وہ اللہ کا نمائندہ ہے۔ اس کی اپنی کائنات میں، اسے یہاں صرف جینا نہیں ہے بلکہ اللہ کی اس کائنات کو سنوارنا ہے، سنبھالنا ہے، بنانا ہے اور نبھانا ہے۔ اس کی بنی ہوئی صورت کو اپنی دوسری نسل کو منتقل کر کے جانا ہے تو یہ محافل ذکر، یہ توجہ، یہ القاء، یہ صحبتیں، یہ تقریریں، یہ وعظ، ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ اگر ہم دوسروں کی اصلاح کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنے مسلمان بھائی کو تو اس مقام پر لے جائیں جو اس کے شایان شان ہے، اور جہاں اسے ہونا چاہیئے۔

تو جو شخص جس فیلڈ میں بھی، جہاں بھی کام کرتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ پورے خلوص و دیانت اور پورے محنت و مجاہدے سے کام کرے۔ کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے لیے دنیا بھر کے آفیسرز کا امریکہ میں ایک کورس ہوا تھا، جس میں دنیا کے ہر ملک کے آفیسرز تھے۔ جب امتحان ہوا تو جو شخص اول آیا وہ شرعی داڑھی رکھے ہوئے دو وقت ذکر کرنے والا ایک فوجی افسر تھا۔ ذکر کی محافل کی یہ برکت ہے۔

آپ لوگوں کو یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ عملی زندگی میں میری، آپ کی سستی، کوتاہی یا ایک لغزش کئی لوگوں کو اس سعادت سے محروم کر دینے کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے میری آپ سے یہ گذارش ہے کہ ہمارا مشن یہ ہے کہ ترک دنیا کی بجائے ہم دنیا کو استعمال کریں، جس کے لیے یہ بنی ہے اور جو باقاعدہ رب کریم نے اسے استعمال کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ تاکہ دنیا پر یہ ثابت ہو جائے کہ اسلام یا ذکر الٰہی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔ یہ پستیوں سے اٹھا کر عظمتوں سے آشنا کرنے کا آسان ترین راستہ، مختصر ترین زینہ ہے۔

جن احباب کو یہ شکوہ ہے، جن کی تحریریں نظر سے گزری ہیں۔ اگر یہ آواز ان تک پہنچے تو میرے مرید بننے کی بجائے میں انہیں صرف اللہ اللہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ میرے پاس نہ آئیں، خدا ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن اپنے دن بھر کے معمولات میں

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

کوئی وقت ذکر الٰہی، اللہ اللہ کیلئے مختص کر دیں اور اس کے ثمرات دیکھیں۔ ہمارے پاس نہ آئیں۔ ہماری محفل میں نہ بیٹھیں ہم کوئی خدا کے ٹھیکیدار نہیں، خدا ہر شخص کا اپنا ہے۔ تمام مخلوق کا تعلق ہے اس کے ساتھ۔ لیکن اس کا نام لینے میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ فتویٰ دینے سے پہلے، فیصلہ دینے سے پہلے، میری یہ گذارش ہے ان دانشوروں کے سامنے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں جہاں وہ ناول لکھتے ہیں، جہاں وہ ناول پڑھتے ہیں۔ جہاں وہ فلم دیکھتے ہیں، جہاں وہ ہوٹل میں چائے کی چسکی فرض کے طور پر روزانہ لینے جاتے ہیں۔ وہاں وہ دس پندرہ منٹ، چوبیس گھنٹوں میں مختص کر لیں کہ روزانہ یہ پندرہ منٹ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر، اس کا نام لیا کریں گے تو وہ دیکھیں گے کہ ذکر پر کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ہم پر مت چھوڑیں کیونکہ خدا اُن کا بھی ہے۔ جہاں وہ ذکر کریں گے خدا وہاں موجود ہو گا۔

اللہ کریم صحیح سمجھ عطا فرمائے آمین!

(خطبہ ۹ اکتوبر ۱۹۸۷ء)

حضرت ابو سعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

ایک زمانہ آئے گا جب لوگوں کے گروہ جہاد کے لیے جائیں گے تو پوچھا جائے گا۔ کیا آپ میں سے کوئی شخص نبی کریمؐ کا صحابی ہے؟ جواب ملے گا۔ ہاں ہے۔ اور پھر اُس کی برکت سے اس جنگ میں فتح حاصل ہو جائے گی۔ اس کے بعد ایک زمانہ آئے گا جس میں پوچھا جائے گا: کیا آپ میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے اصحاب النبیؐ کا فیض صحبت حاصل کیا ہو۔ کہا جائے گا: ہاں۔ اور پھر اس کی برکت سے فتح حاصل ہو جائے گی۔ اس کے بعد ایک وقت آئے گا جب پوچھا جائے گا کہ آپ میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جسے اصحاب النبیؐ کے ساتھیوں میں سے کسی کا فیض صحبت میسر آیا ہو؟ کہا جائے گا ہاں ہے۔ اور پھر اس کی برکت سے فتح حاصل ہو جائے گی۔

(اخرجہ البخاری فی: کتاب ۵۶ الجہاد والسیر باب ۷۶ من استعان بالضعفاء)

حضرت جنیدؒ بغدادی کے ایک مرید کے دل میں شیطانی وسوسہ پیدا ہو گیا۔ کہ اب وہ کامل بزرگ ہو گیا ہے اور اسے صحبتِ مرشد کی ضرورت نہیں۔ اس خیال کے تحت وہ گوشہ نشین ہو گیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ ملائکہ اونٹ پر سواری کروا کے جنت میں سیر کرانے لے جاتے ہیں۔ اس خواب کی اتنی شہرت ہوئی کہ حضرت جنیدؒ بغدادی تک بات پہنچی۔ آپؒ اُس کے پاس گئے۔ اور فرمایا:

آج رات جب تم جنت میں پہنچو تو لَا حَوْلَ پڑھنا۔ چنانچہ اُس نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ تو دیکھا کہ شیاطین تو فرار ہو گئے اور اُن کی جگہ مُردوں کی ہڈیاں پڑی ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ تائب ہو گیا اور آپ کی صحبت اختیار کر کے یہ طے کر لیا کہ مرید کے لیے گوشہ نشینی سمِ قاتل ہے۔

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

لندن

۸۸ - ۶ - ۶

عزیزم صدیق صاحب

السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ

آپ کا فون دوبئی میں ملا تھا۔ جواب لندن سے دے رہا ہوں۔ کہ اس وقت میں روانگی کے لیے تیار کھڑا
تھا اور کچھ لکھنے کا وقت نہ تھا۔ آپ نے بعنوان "ذکر الٰہی" چند سطور لکھنے کو کہا ہے جو تعارف کا کام دے
سکیں۔ آپ کے فون کے جواب میں حاضر ہیں۔ اگر "جنگ" کو دے دیں تو مجھے خوشی ہوگی، اس میں ہر ہفتہ
امارات کا صفحہ مختص ہوتا ہے۔

لندن سے ایک خط

جہاں تک ذکر الٰہی کی فضیلت واہمیت اور اس کی ضرورت کا تعلق ہے، اس کے لیے قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ ارشاد جو ان کی معروف تفسیر "تفسیر مظہری" میں ہے۔ کافی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ذکر الٰہی ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے ان کے اس ارشاد کی بنیاد قرآنِ حکیم کے وہ متعدد ارشادات ہیں جو ذکر الٰہی کے متعلق عباراتِ قرآنی میں ہیروں کی طرح جڑے ہوئے ہیں اور اس کثرت سے ہیں کہ دورِ اوّل میں تو کسی کا ذکر الٰہی سے بے رخی برتنا قرین قیاس ہی نہ تھا اس کے باوجود قرآن حکیم، حدیث شریف اور اقوالِ صحابہ کے بعد سلف صالحین کے ارشادات ذکر کی فضیلت اور اس کی اہمیت و ضرورت کی وضاحت فرماتے رہے، اس لیے نہیں کہ ذکر الٰہی دوسرے فرائض یا عبادات کا متبادل تھا بلکہ اس لیے کہ ذکر الٰہی سے دل میں وہ روشنی، وہ جذبہ پیدا ہوتا ہے جو عبادات میں خلوص اور گہرائی پیدا کرتا ہے جسے آپ اصلاح شریعت میں خشوع وخضوع کا نام دیتے ہیں اور جس کے بغیر عبادات اشرف قبولیت کو نہیں پا سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ ذکر الٰہی کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تو ایسے مقدس وجود تھے جن کی پاک زبانوں کے ساتھ ان کے وجود بھی ذاکر تھے، بلکہ کھال سے لیکر دل کی گہرائیوں تک ذکر الٰہی کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام کے بارے میں قرآن گواہ ہے "ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ"، کہ نگاہ نبوت اور صحبت نبوی سے ان کی کھالوں یعنی جسم کے باہر کے ذرات سے لے کر دل کی گہرائیوں تک ہر ذرہ ذکر الٰہی کرتا تھا۔ لیکن جہاں ادبار زمانہ سے اور بہت سی نعمتیں ہم سے چھن گئیں

http://owaisibooks.blogspot.com/

وہاں یہ بھی ایک نعمت عظمیٰ تھی جسے من حیث القوم تو ہم نے کھو دیا مگر قابلِ ستائش ہیں اللہ کے وہ باہمت بندے جنہیں نہ زمانے کی بے رخی بددل کر سکی، نہ نادانوں کے فتوے، نہ دنیا کی آسائشوں کا لالچ ان کے راستے کی دیوار بنا اور نہ اقتدار و وقار، بلکہ سب کچھ قربان کر کے انہوں نے اپنی ذاتی حیثیت میں اللہ کی اس امانت کا بوجھ اٹھایا اور اسے بعد والوں تک پہنچا کر اس کا حق ادا کر گئے اس طرح یہ نعمت باقی ہے اور جب تک اللہ چاہے گا باقی رہے گی کہ یہی اس کائنات کی روح ہے۔ جب یہ فنا ہو گی تو پھر دنیا کی عمر بھی تمام ہو چکی ہو گی۔

جن لوگوں نے یہ دولت کھو دی یا اس کی اہمیت کو نہ جان سکے، اس کا انکار کرنا تو ان کے بس میں بھی نہ تھا۔ کہ جب قرآن میں، حدیث میں اور سلف صالحین کے اقوال و ارشادات میں اس کا حکم موجود ہے تو آج کوئی انکار کی جرأت کیسے کرے، ہاں انہوں نے اس کی تاویل کی جو ان کے خیال کے مطابق بڑی موزوں بات تھی اور عام آدمی کے لیے واقعی ہے بھی، لیکن اگر اسے کتاب اللہ پر پیش کیا جائے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی بلکہ بیت عنکبوت ثابت ہوتی ہے اور وہ بات یہ ہے کہ جناب یہ نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کیا ذکر نہیں ہے! پھر اس کے علاوہ آدمی بہت سے نیک اعمال کرتا ہے، والدین کی خدمت، اولاد کی تربیت، حقوق العباد کی نگہداشت، تلاوت، تسبیحات وغیرہ ذالک حتیٰ کہ تبلیغ جیسا اہم کام کرتا ہے یعنی دوسروں تک اللہ کی دعوت پہنچاتا ہے اور اس راہ میں سفر کی صعوبتوں کے ساتھ وقت، دولت اور محنت لگاتا ہے، پھر اس کے علاوہ ذکر الٰہی کیا ہو گا! نیز یہ دور بہت مصروفیت کا ہے، لوگوں کو ان متذکرہ امور کے لیے وقت نکالنا دشوار ہو رہا ہے۔ ذکر پر کیسے وقت لگائیں اور دنیا کے کام کب انجام دیں!

اس سوال کے دو حصے ہیں پہلے کا جواب "ارشاد السالکین" جلد ۲ میں دیا جا چکا ہے مگر یہاں مختصراً پھر جائزہ پیش کر دیتا ہوں آپ سمجھ لیں۔ تو عرض ہے کہ یہ سب اعمال بھی ذکر الٰہی ہیں مگر ان کے علاوہ ذکر کرنے کا حکم موجود ہے سب سے پہلے آپ نماز کو لیں تو اسے ذکر کہا گیا ہے کہ جمعہ کے روز جب نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف تیزی سے آؤ "فاسعوا الی ذکر اللہ"، یہاں نماز کو ذکر کہا ہے مگر ساتھ ارشاد ہوتا ہے جب نماز ختم ہو تو زمین پر پھیل جاؤ اور اپنی روزی تلاش کرو یعنی اپنے کام کاج میں لگ جاؤ "واذکروا اللہ کثیرا" مگر اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو، یعنی نماز بھی ذکر ہے مگر اس کے بعد کام کاج یا امورِ دنیا میں بھی ذکر مسلسل کا حکم موجود ہے۔

یہی حال جہاد کا ہے کہ ارشاد ہوتا ہے جہاد میں جم کر مقابلہ کرو۔ اب سر کٹ رہے ہیں، جسموں کے پرخچے اڑ رہے ہیں خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں، مجاہد اللہ کی راہ میں سر بکف ہے ارشاد ہوتا ہے "فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا" کہ جم کر مقابلہ کرو اور کثرت سے اللہ کا ذکر بھی کرتے رہو۔ ایسے ہی حج اور رمضان میں ذکر کی کثرت کے ارشادات موجود ہیں، حتیٰ کہ تبلیغ کے بارے میں دیکھ لیں کہ انسانیت میں اپنے زمانے کی سب سے بگڑے ہوئے اور متکبر شخص کے پاس اس عہد کی مثالی ہستیاں تشریف لے جاتی ہیں یعنی فرعون کے دربار میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام جہاں ان کے لیے اور بہت سی ہدایات فرمائی گئیں کہ جانا کیسے ہے کہنا کیا ہے بات کا انداز کیا ہو گا، وہاں یہ بھی فرما دیا کہ "ولا تنیا فی ذکری" میرے ذکر میں توجہ کی کمی نہ ہونے پائے۔

اخذِ فیض کا طریقہ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست فیض لینا، ایسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔ باقی رہا یہ فیض کس طرح حاصل کرتے ہیں؟ ذات سے یا اہلِ قبور سے۔ اس کے متعلق گذارش ہے کہ یہ وہ پیالہ نہیں، کہ بغیر نوش کیے اس کا ذائقہ حاصل ہو۔ جس کو نوش کر کے ذائقہ یا لذت حاصل کرنی مقصود ہو، وہ کسی کامل و اکمل کا دامن مضبوطی سے پکڑے اور کچھ وقت لگائے۔ شرائط سلوک کے مطابق عمل کرے۔ پھر خود ظاہر ہو جائے گا۔

(حضرت مولانا اللہ یار خان رح)

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

اب آپ خود اندازہ کرلیں کہ کس کو تبلیغ ہو رہی ہے ، کون کر رہا ہے ۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قلوب کبھی غفلت کا شکار نہیں ہوتے یعنی ذکر سے رکتے نہیں ! اس لیے فرمایا کہ یہ بھی نہ ہو کہ توجہ ہی کم ہو جائے تو آپ ہی کہیے کیا اعمال ذکر کیسے بن سکتے ہیں اگرچہ خود ذکر ہیں مگر ان کے علاوہ ذکر الٰہی کا حکم موجود ہے ۔

اچھا ایک آخری بات ۔ آپ کوئی بھی نیک عمل لے لیں اس کے نیکی ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات مثالی' مجاہدہ مثالی' قربانیاں اور ایثار مثالی' مقام و مرتبہ مثالی' تبلیغ مثالی' اس سب کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے ۔ " واذکر اسم ربك وتبتل الیه تبتیلاً ہ " کہ اپنے اللہ کے نام کی تکرار فرمائیں اور اس حد تک اللہ اللہ اللہ اللہ کہتے چلے جائیں کہ نگاہِ اقدس میں کائنات معدوم ہو جائے ۔

تفصیل کا موقع نہیں مگر اتنا عرض کردوں کہ سورۃ مزمل کی یہ آیات نزول قرآن کے ابتدائی زمانہ کی ہیں اور وصال تک آپ ﷺ کا عمل اس حکم پر پوری شدت سے تھا ام المومنین حضرت عائشۃ الصدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں ذکر کیا کرتے تھے ۔
اب فرمائیے کہ ایسا با عمل اور با کردار کون ہے جسے ذکر الٰہی کی ضرورت نہیں ! ضرورت سب کو ہے' ہر مسلمان کو ہے ، خواہ مرد ہے یا خاتون' ہاں اکثریت احساس ضرور کھو چکی ہے ۔

اب سوال کا دوسرا حصہ کہ لوگوں کے پاس فرصت نہیں' یہ اس لیے غلط ہے کہ یہ بات وہ لوگ کہتے ہیں جو خود اس لذت سے ناآشنا ہیں جن کو یہ دولت ملی ہے ! انہیں علم ہے کہ قرآن پاک کی خبر کے مطابق ذکر الٰہی سے دل کو سکون نصیب ہوتا ہے اور بے سکون دل سے جو کام دلوں میں نہیں ہو سکتا' ایک پرسکون دل اسے گھنٹوں میں کرلیتا ہے آپ اہل اللہ کی سوانح پر نگاہ ڈالیں تو ان کے سفر' تصنیفات' بیانات' امور دنیا اور عبادات عقل کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں کہ اتنا بڑا کام وہ کیسے کر گزرے ! صرف اس لیے کہ ان کے دل ذاکر تھے' وہ خود ذاکر تھے ان کے وجود' ان کی ارواح ذاکر تھیں ۔

یہ کر کے دیکھنے کا کام ہے آخر اللہ کا نام تو لینا ہے' کوئی ایسی چیز نہیں جس کے نقصان کا اندیشہ ہو ۔ نفع ہی نفع ہے رہا اس کا کرنا اور طریقہ ذکر یا پھر اس کا ثبوت کیا ہے اور اس طرح کی باتیں اگر چاہیں تو مجھے گھر کے پتہ پر خط لکھ دیں اپنے سوال صاف اور مختصر کر کے لکھیں ۔ انشاء اللہ تب تک میں بھی واپس پہنچ چکا ہوں گا ' اور جو کچھ رب کریم کی طرف سے عطا ہوا لکھ کر عرض کر دوں گا

والسلام

فقیر محمد اکرم اعوان

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

گذارش

المرشد آپ کا اپنا رسالہ ہے ۔ اشاعت کے لیے اپنی نگارشات بھیج کر تعاون کیجیے ۔ البتہ ان چند باتوں کا خیال ضرور رکھیے ۔

۱ ۔ لکھائی کاغذ کے ایک طرف ہو ، صاف ہو ، خوش خط ہو ، ایک لائن چھوڑ کر لکھا ہو ، مضمون شکستہ خط میں نہ لکھئے کیونکہ کتابت میں مشکل پیش آتی ہے ۔

۲ ۔ قرآن پاک کی آیات صاف اور صحیح لکھیے ، آیت پوری لکھئے ، زیر زبر تک کا خیال رکھیے ۔ آیات شکستہ خط میں ہرگز نہ لکھیے ۔ قرآن پاک سے مقابلہ کر کے آیات کے صحیح ہونے کا اطمینان کر لیجیے

اشاعت کے لیے نگارشات اس پتے پر ارسال کیجیے ۔

ماہنامہ " المرشد " الوہاب مارکیٹ ۔ اردو بازار ۔ لاہور

پیغامِ امن

حافظ عبدالرزاق

اللہ کریم نے اپنی نوری مخلوق یعنی فرشتوں کے سامنے اپنے اس ارادہ کا اظہار فرمایا کہ میں کرۂ ارض پر اپنا ایک نائب پیدا کرنے والا ہوں۔ تو فرشتوں نے نہ جانے کس بنا پر اس نئی مخلوق کے متعلق ایک خطرے کا اظہار کیا کہ وہ یُفْسِدُ فِیْھَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ (۲ : ۲۰) یعنی اے احکم الحاکمین کیا تو اسے نائب بنانا چاہتا ہے جو زمین میں بگاڑ پیدا کرے اور کشت خون کرے۔ مگر اللہ کریم جو علام الغیوب ہے اس کی ضرورت اور حکمت سے خوب واقف تھا۔ اس لیے فرشتوں کے اس اندیشہ کے جواب میں اصولی بات فرما دی کہ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۲ : ۲۰) یعنی اس نئی مخلوق کے پیدا کرنے اور اسے نیابت کے منصب پر فائز کرنے کی ضرورت اور حکمت سے میں خوب واقف ہوں۔ تم اسے نہیں جانتے۔ مگر یوں لگتا ہے کہ اس خطرے سے بچنے کے لیے پہلے انسان کو کرۂ ارض پر بساتے ہوئے اور تسلّی دیتے ہوئے ایک اصولی بات مژدہ کے طور پر بتا دی۔ کہ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (۲ : ۳۸) یعنی جب میری طرف سے تمھارے پاس ہدایت نامہ پہنچے (تو اس کی پیروی کرنا) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کرۂ ارض اور اس کائنات کا خالق اور موجد میں ہوں اس سے کام لینے اور اس کے استعمال کا ڈھنگ اور سلیقہ بتانا میں نے اپنے ذمہ لے لیا آدم کی عقل پر یہ بوجھ نہیں ڈالا اور اس عقلی اور عملی حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ کسی مشین کا موجد ہی اس کے صحیح استعمال کا طریقہ جانتا ہے۔

کرۂ ارض پر بسنے والے پہلے انسان میں دو امتیازی وصف پائے جاتے ہیں اوّل یہ کہ وہ مسلمان تھا دوم یہ کہ وہ نبی تھا لہٰذا اس کا ہدایت الٰہی سے انحراف کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ مسلم سے مراد ہی یہ ہے کہ وہ حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور نبی تو وہ منتخب ہستی ہے جو دوسروں کو ہدایت کے راستے پر اپنے پیچھے چلانے آتا ہے۔

اللہ کریم کی اس یقین دہانی میں ایسی پُرامن اور پُرکیف زندگی کا نشان ملتا جس سے بڑھ کر کسی سکون و راحت کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے فرمایا کہ میری ہدایات پر عمل کرنے والوں کو خوف اور غم دونوں سے رہائی ملے گی۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہوتا ہے اور غم کا تعلق ماضی سے جب دونوں میں امن و سکون کے سوا کچھ نہ ہو تو اور کیا چاہیے۔

دیکھنا یہ ہے کہ کیا تاریخ سے اس حقیقت کا کوئی سراغ ملتا ہے کہ جب انسان نے ہدایات ربانی کی پیروی کی زندگی مزے سے گزری اور جب اس راہ سے ہٹا تو بدامنی فساد اور پریشانی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ لوگ جسے زمانہ قبل از تاریخ کہتے ہیں وہ انسان کے معلومات کے اعتبار سے تو درست ہے مگر اللہ کریم کے علم کے لحاظ سے کوئی ایسا زمانہ نہیں ہو سکتا اور کسی زمانے کے متعلق جو بات خود اللہ کریم بتا دے اس میں شک کرنا شرف انسانیت کے منافی ہے۔

اللہ کریم نے اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہوئے آدم کے ایک بیٹے کا واقعہ بیان فرمایا۔ کہ انسانی معاشرے میں بگاڑ اور فساد کی بنیاد اس وقت پڑی جب آدم کے ایک بیٹے نے

http://kowaisiahbooks.blogspot.com/

ہدایت ربانی کو پس پشت ڈال کر اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ اس کی وجہ اللہ کریم خود بتاتے ہیں وَفَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۔ (۵ : ۳۰) یعنی اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل کی ترغیب دی تو اُس نے اسے قتل کر دیا اور وہ خسارہ اُٹھانے والوں میں ہو گیا۔

اس سے دو حقیقتیں سامنے آتی ہیں اول یہ کہ جب انسان خدا پرستی سے منہ موڑتا ہے تو وہ لازماً نفس پرستی کا شکار ہو جاتا ہے دوسرا یہ کہ نفس پرستی میں لذت تو پائی جاتی ہے مگر انجام کار نقصان ہی پلے پڑتا ہے۔

اس واقعہ سے یہ پتہ چلا کہ انسان جب تک احکام الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرے معاشرے میں امن وسکون رہتا ہے اور جب من مانی کرنے لگے معاشرے میں لازماً بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور امن وسکون اُٹھ جاتا ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ کریم نے ایک عالمگیر اور تاریخی حقیقت یوں بیان فرمائی۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً یعنی اولاد آدم میں پہلے تو سب ایک ہی جماعت تھے۔ ایک ہی مذہب اور ایک ہی طرز زندگی تھا۔ مگر جب لوگوں نے احکام الٰہی کو پس پشت ڈال کر نفس پرستی کو شیوہ بنا لیا تو ان کا باہمی اتفاق رخصت ہو گیا اور طرح طرح کے اختلاف پیدا ہونے لگے جو رفتہ رفتہ باہمی نفرت اور دشمنی کی صورت اختیار کرنے لگے مگر اللہ کریم نے آدم کو پہلے دن جو مژدہ سنایا تھا اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے وقفے وقفے کے بعد حسب ضرورت یہ کیا کہ:۔

فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۔ یعنی جب وہ اختلاف کرنے لگے تو اللہ کریم نے ان کی طرف پیغمبر بھیجے جو فرمانبرداروں کو انعام کی بشارت سناتے اور نافرمانوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتے تھے۔ اور اللہ کریم نے ان پیغمبروں پر سچائی سے بھرپور کتابیں نازل کیں، تاکہ جن امور میں لوگ اختلاف کرتے تھے ان میں فیصلہ کر دیں۔

سوال یہ ہے کہ اختلاف کرنے والوں پر نئی روش اختیار کیوں کی ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۔ یعنی اختلاف کرنے والے کوئی نادان اور انجان نہیں تھے بلکہ ان کے پاس کتاب الٰہی بھی موجود تھی اور واضح احکام بھی آ چکے تھے۔ پھر اختلاف کی وجہ کیا ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ بَغْيًا بَيْنَهُمْ یعنی اختلاف صرف آپس کی ضد کی وجہ سے کیا اور ظاہر ہے کہ بے جا ضد نفس پرستی ہی کا ایک شعبہ ہے۔ (کان الناس الخ ۲ : ۲۱۳)

اس سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ اسلام نے روز اول سے ہی امن سلامتی، اتحاد واخوت کا پیغام دیا ہے اور اللہ کے رسول اسی پیغام امن وآشتی کے پیغمبر تھے۔

امن وسلامتی کی دعوت دینے والے اس مقدس گروہ میں پہلی ہستی حضرت آدم ؑ کی اور آخری ہستی نبی امی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان میں کام کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں مگر کیفیت کے لحاظ سے فرق ہے کہ نبی آخرالزمانؐ سے پہلے جو پیغام آئے وہ کسی خاص قوم یا کسی خاص ملک یا کسی خاص مخصوص وقت کے لیے آئے تھے۔ مگر نبی آخرالزمانؐ پوری نوع انسانی کے لیے ساری دنیا کے لیے اور قیامت تک کے لیے اللہ کا بندہ بن کر امن وسکون کی زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سکھانے کیلئے آئے۔ اس سارے مقدس گروہ کی بنیادی طور پر ایک ہی دعوت تھی۔ چنانچہ اللہ کی آخری کتاب

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

ہمارے حلقہ کے دیرینہ ساتھی جناب شاھد حسن رضوی صاحب گذشتہ ماہ وفات پا گئے۔ اُن کی مغفرت کے لیے دُعا فرمائیں۔

امیر جماعت (ابوظہبی) آفتاب اقبال احمد صاحب کی چھوٹی ہمشیرہ ۹ ستمبر ۸۸ء بروز جمعہ انتقال کر گئیں۔ تمام ساتھیوں سے اُن کیلئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

http://lowaislahbooks.blogspot.com/

اس کی وضاحت کرتی ہے۔

(۱) اس مقدس گروہ میں پہلا اولوالعزم رسول آدم ثانی حضرت نوحؑ ہیں ان کی دعوت کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (۷ : ۵۹) یعنی ہم نے نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

حضرت نوحؑ کی دعوت یہ تھی کہ اللہ کی عبادت کرو لفظ عبادت کی عجیب کیفیت ہے عام ذہنوں میں عبادت کا مفہوم وہی عبادات منصوصہ ہیں یعنی نماز روزہ حج زکوٰۃ۔ مگر دعوت ہے:

امن و سکون کی زندگی تو عبادت کے مفہوم میں بھی لازماً اتنی ہی وسعت ہونی چاہیے جتنی زندگی کے لفظ میں وسعت پائی جاتی ہے۔ جو پیدا ہونے سے مرنے تک ختم نہیں ہوتی بلکہ ابدی زندگی تو اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔ لہٰذا مطالبہ اور دعوت یہ ہے کہ زندگی کے جس شعبے میں جو کام بھی کرو اللہ کی ہدایت کے مطابق کرو وہی کام عبادت بن جائے گا یعنی کھانا پینا کمانا خرچ کرنا، دوستی دشمنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جو کام بھی کرو اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرو۔ تو زندگی ایسی پُرسکون اور پُرکیف ہوگی کہ نہ خوف ہوگا نہ غم۔

(۲) وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (۷ : ۶۵)

یعنی ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی هودؑ کو بھیجا انہوں نے بھی اپنی قوم کو وہی دعوت دی جو نوحؑ نے دی تھی کہ اللہ کی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کرو۔ ہاں ایک تنبیہ فرمائی کہ کیا تم اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے نہیں ہو۔

(۳) وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (۷ : ۷۳)

یعنی قوم ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالحؑ کو بھیجا انہوں نے بھی اپنی قوم کو اس بات کی دعوت دی جو اس مقدس گروہ کے پہلے حضرات دیتے آئے تھے کہ اللہ کی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرو۔

(۴) وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ (۷ : ۸۵)

یعنی حضرت شعیبؑ کو قوم مدین کی طرف بھیجا اور انہوں نے وہی دعوت دی۔

(۵) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (۲۱ : ۲۵)

یعنی اے میرے حبیبؐ ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا اس طرف ہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں صرف میری ہی عبادت کرو۔

اس مقام پر اللہ کریم نے پوری انسانی تاریخ کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے کہ نبی آخرالزمانؐ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا وہ یہی دعوت لے کر آیا کہ احکام الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرو۔ ان کی تعداد ایک لاکھ کئی ہزار سہی مگر ہر ایک کی دعوت کا بنیادی مطالبہ یہی تھا کہ زندگی کا سلیقہ ہم سے سیکھو تاکہ تم امن و سلامتی کی زندگی گزار سکو۔

(۶) اللہ کریم نے اپنے آخری نبیؐ سے یہ اعلان کروایا۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ

اب تک نہیں پہنچا

اکثر حضرات کا سالانہ چندہ اگست میں ختم ہو چکا ہے۔ سالانہ چندہ بھیجنے میں دیر نہ کیجیے تاکہ "المرشد" کی باقاعدہ ترسیل آپ کے لیے بدستور قائم رہے۔ رقم اس پتے پر ارسال کیجیے اور اپنا خریداری نمبر لکھنا مت بھولیے:

ماہنامہ "المرشد" دارالعرفان، منارہ
ضلع چکوال

http://owaisiahlibooks.blogspot.com/

جَمِیْعًا ن الَّذِیْ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ص فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَکَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ (۷ : ۱۵۸)

یعنی اے میرے حبیبؐ اعلان کر دیجئے کہ لوگو! (اولادِ آدم) میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔ وہ اللہ جو آسمانوں اور زمین کا مالک و حاکم ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندگی بخشتا اور وہی موت دیتا ہے سو تم سب اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول امی پر ایمان لاؤ جو اللہ پر اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ۔

اللہ کریم نے وضاحت فرما دی کہ میرے اس آخری نبیؐ کی دعوت بھی وہی ہے کہ اپنی پوری زندگی اللہ کریم کے احکام کے مطابق بسر کرنا سیکھو۔ تاکہ تمہیں ہدایت نصیب ہو ہدایت کا مفہوم یہ ہے کہ منزل تک پہنچنے کا سیدھا، آسان اور چھوٹے سے چھوٹا راستہ۔ اور انسان کی منزل اللہ کی رضا اور اللہ کی محبت ہے اور اس کا نتیجہ ہی یہاں امن و سکون کی زندگی ہے اور وہاں عیش و راحت کی یقین دہانی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت دیتے ہوئے ہمیشہ یہ خوشخبری سنائی کہ ایها الناس قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ تفلحوا۔ یعنی اے اولاد آدم پورے یقین سے کہو کہ اللہ کے بغیر عبادت کے لائق کوئی نہیں تو فلاح پاؤ گے۔

فلاح کا مفہوم کامیابی کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے مگر اسلام اور قرآن جب فلاح کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس کا مفہوم بڑا وسیع ہوتا ہے یعنی فلاح سے مراد اس دنیا میں امن و سکون سے پاکیزہ زندگی بسر کرنا اور اخروی زندگی عیش و آرام سے گزارنا ہوتا ہے۔

ان شواہد سے اس امر کی وضاحت ہو گئی کہ انسان اللہ کی پیدا کی ہوئی اس کائنات میں امن و سکون سے صرف اسی صورت میں رہ سکتا ہے جب وہ اس کائنات کی ہر چیز سے اس طریقے سے کام لے جو اس کے موجد نے سکھایا ہے۔

اللہ کریم نے اس کی ضمانت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (۶ : ۸۳)

یعنی جو لوگ ایمان اور اپنے ایمان میں شرک کے ظلم کی آمیزش نہیں کرتے انہی کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔

اس آیت کے حقیقی مفہوم پر غور کرنے سے دو باتیں سامنے آتی ہیں اول یہ کہ اس حقیقت پر دل سے یقین رکھنا ضروری ہے کہ امن صرف اللہ کی اطاعت میں ہے۔ یعنی یہ ماننا بطور CUSTOM نہ ہو بلکہ بطور CONVICTION ہو۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور ہدایات میں کوئی پیوند نہ لگایا جائے۔ یا ان کو بدلا نہ جائے ایسا کرنا پرلے درجے کا ظلم ہے۔

اور اگر انسان یہاں تک جرأت کر بیٹھے کہ اسلام ہمارا مذہب ہے جمہوریت ہماری سیاست ہے اور سوشلزم ہماری معیشت ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اعلان کر رہا ہے کہ اللہ کریم نے جینے کا جو ڈھنگ سکھایا ہے وہ ناقص بھی ہے اور نامکمل بھی۔ اس میں ترمیم اصلاح کی ضرورت ہے اور لطف یہ کہ اصلاح جس انداز سے کی اس پر عقل سلیم کو حیرت ہوتی ہے۔ مثلاً مغربی جمہوریت کو لیجیے اس سے زیادہ غیر عقلی اور غیر انسانی کوئی حرکت تاریخ انسانی میں نہیں ملتی جمہوریت کیا ہے؟ یہی کہ حکمرانی کے لیے ایسے لوگ چنے جائیں جو ہر طرح اس کے اہل ہوں مگر چننے کے لیے میعاد صرف یہ ہے کہ چننے والا بالغ ہو اور بس یعنی کسی کی اہلیت جانچنے کے لیے ملک کے صدر کی رائے اور نمبر دس کے بدمعاش کی رائے کا ایک ہی وزن ہے۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی رائے اور اس بازار کی ایک کسبی کی رائے برابر ہے۔ خدا لگتی کہیے اس میں کوئی تک ہے جہاں سے بالغ رائے دہندگی کی یہ لعنت دنیا کو ملی ہے وہاں کے اہلِ دانش کہتے ہیں:۔

"جمہوریت ایک ایسا نظام ہے جس میں اعلیٰ اور نیک خصلت مگر خاموش انسانوں کے لیے کوئی جگہ نہیں یہاں اقتدار۔ لاف زنی کرنے والوں اور دھوکا بازوں

http://owaisiabooks.blogspot.com/

کے حصے میں آتا ہے۔" (کارلائل)

سوشلزم کیا ہے؟ یہی کہ تمام انسان جانوروں کی طرح کام کریں اور شام کو کھرلی پر آکر پیٹ کا دوزخ بھر لیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ

"انسان محض حیاتیاتی وجود نہیں رکھتا جس کا اپنا کوئی نظریہ نہ ہو بلکہ وہ بہت سے احساسات اور رجحانات رکھتا ہے جو صحیح نشوونما کے محتاج ہوتے ہیں۔

The crisis of our age — Sorokin)

اس مجنونانہ حرکت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی T.V. سیٹ میں آٹا پیسنے والی مشین کا ایک پرزہ رکھ دیا جائے اور ایک پرزہ کپڑا سینے والی مشین کا سیٹ کر دیا جائے نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ نہ T.V. رہے گا نہ آٹا پیسنے والی مشین نہ کپڑا سینے والی مشین۔

امریکہ جسے جمہوریت پر ناز ہے کیا وہاں امن ہے؟ کوئی شخص پانچ ڈالر کی رقم جیب میں ڈال کر گھر سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اور نیویارک میں چند گھنٹے بجلی بند رہی۔ ہزاروں گھر لٹے اور ہزاروں عصمتیں لٹیں۔

سوشلزم کو جس نظریے پر ناز ہے وہ انفرادی ملکیت کی نفی ہے اور یہ نظریہ سراسر غیر عقلی غیر انسانی اور غیر اسلامی ہے اسلام کے ساتھ کفر کی پیوندکاری سے نہ وہ اسلام رہے گا نہ کفر۔

ایمان کامل کو امن کا مدار قرار دینے کے بعد اسلام دوسرا قدم اُٹھاتا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۶ : ۹۷)

یعنی جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہو تو ہم اس کو دنیا میں پاکیزہ اور سکون کی زندگی سے زندہ رکھیں گے اور آخرت میں اس کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔

اس آیت میں صاف بتا دیا گیا کہ صرف زبان سے ایمان کا اقرار کر لینا کافی نہیں بلکہ اس ایمان کے تقاضوں کے مطابق عملی زندگی بسر کرنا ضروری ہے جس کو عمل صالح کی اصطلاح سے پکارا جاتا ہے اور عمل صالح کیا ہے یہی کہ وہ کرو جو اللہ کریم کہتا ہے اور اس طریقے سے کرو جو اللہ کے رسولؐ نے سکھایا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایمان اگر واقعی موجود ہو تو اتنی بڑی طاقت ہے کہ وہ عمل کرا کے چھوڑتا ہے جہاں عمل مفقود ہے وہاں سے ایمان رخصت ہو چکا ہوتا ہے۔

اس آیت میں فلاح کا لفظ استعمال کیے بغیر فلاح کا مفہوم واضح کر دیا کہ اس دنیا میں پُرسکون اور پاکیزہ زندگی اور آخرت میں بہترین صلہ یہ ہے فلاح۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس ایمان و عمل صالح کے عنوان کی تفصیل میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے امن کی فضا پیدا کرنے کے لیے کیا پروگرام دیا۔

(۱) بنیادی طور پر امن کی فضا کو مکدر کرنے والا ایک ہی عمل ہے اور وہ ہے ظلم؛ اور ظلم کا محرک اپنی بڑائی اور برتری کا احساس اور دوسروں کو حقیر جاننے کا جنون ہوتا ہے۔ اس احساس برتری کے مواقع کچھ تو واقعی ہوتے ہیں مگر کچھ محض فرضی اور وہمی اور یہ دوسری شق ایسی ہے کہ شاید ہی کوئی انسانی معاشرہ اس سے متاثر نہ ہو۔

تاتاریوں کے مظالم، آرین کی ریشہ دوانیاں، جرمنی کا قومی برتری کا احساس، سفید فام مخلوق کا کالی مخلوق پر صدیوں میں پھیلا ہوا ظلم۔

نبی رحمتؐ نے اولاد آدم کو مخاطب کر کے یہ پیغام سنایا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا (۴۹ : ۱۳)

یعنی لوگو! اللہ کریم کا اعلان سنو فرمایا ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے کہ ایک دوسرے کی شناخت کرو۔

بتایا کہ قومیں اور قبیلے صرف تعارف کے لیے ہیں مگر یہ بھی تو حقیقت ہے انسانوں میں بڑائی کا تصور اور پستی کا احساس پایا جاتا ہے اس کی بنیاد آخر کیا ہے کیونکہ یہ جذبہ تو انسانی

http://owaisiahbooks.blogspot.com

نفسیات کا ایک لازم حصہ ہے تو فرمایا۔
اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۴۹: ۱۳)
یعنی تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو اللہ کی نافرمانی سے زیادہ بچتا ہے۔
اس چھوٹے سے جملے میں دو حقیقتیں سمو دیں۔ اول یہ کہ حقیقی عزت وہ ہے جو اللہ کے نزدیک ہو اور ؎

خالق پہ بھروسا ہو تو عزت نہیں گھٹتی
افسوس کہ انسان بہت پست نظر ہے

کیا تم دیکھتے نہیں کہ لوگ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے نزدیک معزز بننے کے لیے عمر کھپا دیتے ہیں مگر وہی لوگ جو آج عزت کرنے کی ایکٹنگ کر رہے ہوتے ہیں کل جوتیوں کے ہار گلے میں ڈال کر تختہ دار تک پہنچا دیتے ہیں۔ آج اس کی پوجا کر رہے ہوتے ہیں کل اس کے خلاف مردہ باد کے نعرے لگا رہے ہوتے ہیں۔ لہذا بالغ نظری کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اللہ کے نزدیک عزت والا بننے کی فکر میں رہے۔

دوسری بات یہ بتائی کہ معزز بننے کے لیے بناوٹی اور جھوٹے طریقے استعمال کر کے اداکاری نہ کرو بلکہ صرف اتنا کر لو کہ اللہ کی نافرمانی سے حتی المقدور بچتے رہو۔ اللہ کے ہاں تم معزز شمار ہو گے۔ لطف یہ کہ ایسا کرنے سے ظلم سے بچ جاؤ گے اور جہاں ظلم نہیں ہو گا وہاں لازماً امن ہو گا۔ اور اگر قومی تفاخر کا شکار ہوئے تو معاشرے میں طبقاتی کشمکش پھر منافرت اور آخر میں کشت خون ہو گا اور انسانی تاریخ اس کی شاہد ہے

(۲) ظلم کے مقابلے میں عدل ہوتا ہے تو نبی رحمت ؐ نے اس سلسلے میں جو سبق دیا اس کی مثال انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

ارشاد ہوتا ہے:۔
یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا (۴: ۱۳۵)

”یعنی اے اہل ایمان! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کی خوشنودی کے لیے سچی شہادت دو خواہ اس میں خود تمہارا، تمہارے ماں باپ کا اور تمہارے رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو اللہ ان کا زیادہ خیر خواہ ہے سو تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا اگر تم شہادت دو گے یا شہادت سے بچنا چاہو گے تو خوب سمجھ لو کہ اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

انسان کے بنائے ہوئے قانون میں ایک قدر مشترک پائی جاتی ہے۔ کہ کسی فرد کو یا گروہ کو یا طبقے کو قانون سے مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے۔ لیکن نبی رحمت ؐ نے عدل و انصاف کے لیے جو اہتمام فرمایا اس میں ایک تو سچی شہادت دینے کی تاکید فرمائی پھر شہادت چھپانے سے منع فرمایا۔ پھر صاف صاف شہادت دینے کا حکم دیا۔ اور اس سلسلے میں یہاں تک تاکید فرمائی کہ خواہ شہادت اپنی ذات اپنے ماں باپ یا کسی رشتہ دار کے خلاف ہی پڑتی ہو بے دریغ شہادت دینا ہے۔
ایک موقع پر صحابہؓ کو فرمایا
الا انبئکم باکبر الکبائر قلنا بلی یا رسول اللّٰہ قال الاشراك باللّٰہ وعقوق الوالدین وکان متکئاً فجلس وقال الا وقول الزور وشهادة الزور فما زال یکررها حتی قلنا لیته سکت (متفق علیه)
یعنی نبی رحمت ؐ نے صحابہ سے فرمایا کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ ؐ تو فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے اس کے بعد سیدھے اُٹھ بیٹھے اور فرمایا جھوٹ بولنا اور جھوٹی شہادت دینا اور آپ اسے بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ ہماری خواہش ہوئی کہ کاش آپ زیادہ دہرانے کی تکلیف نہ فرماتے۔
اس امر سے ہر شخص واقف ہے کہ مقدمہ کے فیصلہ کا انحصار شہادت پر ہوتا ہے۔ شہادت جھوٹی ہو گی تو فیصلہ عدل کے منافی ہو گا اور ظلم ہوا تو امن اُٹھ گیا۔
ظلم کے متعلق نبی رحمت ؐ نے ارشاد فرمایا:۔

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

من مشی مع ظالم لیقویه وهو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام (مشکوٰۃ)

یعنی جس شخص نے ظالم کا کسی رنگ میں ساتھ دیا جو اس کی تقویت کا باعث بنا اور وہ جانتا تھا کہ وہ ظالم ہے تو ایسا شخص اسلام سے خارج ہو گیا۔

ظلم کا میدان بڑا وسیع ہے۔ مگر بالعموم تین چیزیں اس کی زد میں آتی ہیں، جان، مال اور آبرو۔ تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں شعبوں میں کہیں تاکیدی احکام دیے کہیں انہیں جرم قرار دے کر ان کے لیے سزائیں مقرر فرمائیں۔ جو کبھی حدود کی شکل میں ہیں اور کبھی تعزیر کی صورت میں مثلاً:۔

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (۴: ۹۳)

یعنی جو شخص کسی مسلمان کو قصداً مار ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ جلتا رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہے اور وہ ملعون ہے اور ایسے شخص کے لیے اس نے سخت عذاب تیار کر دیا ہے۔

یہ سزائیں وہ ہیں جن کا تعلق اخروی زندگی سے ہے۔

جہاں تک اس دنیا کی زندگی سے تعلق ہے قتل کی سزا قتل ہے اور اس کے متعلق فرمایا:۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (۲: ۱۷۹)

یعنی اے اہل ایمان و اہل دانش حکم قصاص میں تمہاری زندگانی ہے تاکہ تم قتل و خونریزی سے بچتے رہو۔ مراد ظاہر ہے کہ قصاص سے معاشرے میں امن برقرار رہتا ہے جو زندگی کو صحیح معنوں میں زندگی بنا دیتا ہے اگر قاتل کو کھلی چھٹی مل جائے تو معاشرے کا امن اُٹھ جائے گا۔ اور فساد پیدا ہو گا۔ اس سلسلے میں ارشاد ہے:۔

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۵: ۳۳)

خواب میں دکھائی دینے والی چیز کا کوئی وجود نہیں ہوتا بلکہ اُس کا وجود صرف دیکھنے کی حد تک ہے۔ پھر معدوم ہو جاتا ہے۔

کشف میں جو وجود نظر آتا ہے وہ اس طرح کا ہے جیسے کسی مقرر کے ذہن میں تین چار گھنٹے کی تقریر کا وجود موجود ہوتا ہے پھر اُس تقریر کو زبان پر لاتا ہے۔

اسی طرح معمار کے ذہن میں عمارت کا جو نقشہ ہوتا ہے۔ وہی مادی طور پر اینٹ پتھر سے مل کر خارج میں ظاہر ہوا جو وجود ذہن میں ہوتا ہے اُس پر خارج میں ثمرات، اثرات اور احکام کی بنا ہوتی ہے۔

(مولانا اللہ یار خان رح)

یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا اُن کے ایک طرف کا ہاتھ اور ایک طرف کا پاؤں کاٹ دیے جائیں یا ملک سے نکال دیے جائیں۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب قید ہے۔

یہاں عجیب نکتہ یہ ہے کہ معاشرے میں فساد اور بدامنی پھیلانے کو اللہ و رسول ﷺ کے خلاف جنگ قرار دیا۔ پھر اس کی سخت سے سخت سزا مقرر فرما دی۔

مال کے سلسلے میں مسلمانوں کو ظلم سے بچانے اور معاشرے میں امن قائم رکھنے کے لیے نبی رحمت نے یہ تعلیم دی کہ:۔

(۱) ارشاد ربانی ہے

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (۲: ۱۸۸)

یعنی ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ باطل کا لفظ بڑا وسیع المعنی ہے خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ مال اور کمانے اور خرچ

http://owaisiahbooks.blogspot.com

کرنے کا وہ طریقہ جس کی اللہ اور رسولؐ نے اجازت نہیں دی وہ باطل ہے۔

(۲) نبی رحمتؐ نے فرمایا:۔

لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ مَالُ امْرِءٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِنْهُ (مشکوٰۃ شریف)

کسی مسلمان کے لیے دوسرے کا مال حلال نہیں جب تک وہ آزاد مرضی اور خوشی سے نہ دے۔

ظلم کی زد میں تیسری چیز عزت و آبرو آتی ہے اس سلسلے میں تعلیم دی گئی کہ:۔

(۱) ارشاد ربانی ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ (۴۹: ۱۱)

اے ایمان والو ایک دوسرے کے ساتھ تمسخر نہ کرو ممکن ہے وہ لوگ ان سے بہتر ہوں جو تمسخر کر رہے ہوں۔

پھر فرمایا:۔ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ط (۴۹: ۱۱)

"اور اپنے مومن بھائی کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔

نبی رحمتؐ کی تعلیم نے انسانی نفسیات کا یہاں تک لحاظ رکھا ہے کہ زبان سے بھی کوئی ایسا لفظ نہ نکلے جس سے دوسرے کی عزت و آبرو پر حرف آئے یا اس کی دلشکنی ہو۔ کیونکہ اہل دل کہتے ہیں کہ ؎

جراحات السنان لها التیام
ولا یلتام ما جرح اللسان

اور عزت و آبرو کے سلسلے میں سب سے بڑا نازک مرحلہ عفت و عصمت کا ہے۔ تو نبی رحمتؐ نے زنا کو ایسا گھناؤنا جرم قرار دیا اور اس کی وہ سزا مقرر کی ہے جو انتہائی درجے کی کہی جا سکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (۲۴: ۲)

"بدکاری کرنے والا مرد اور بدکاری کرنے والی عورت

> انسان اگر ذاتِ باری سے دور ہوتا چلا جائے تو دل انوارات سے خالی ہو کر شیطان کی قرارگاہ بن جاتا ہے۔ پھر جوں جوں دور ہو کر شیطان کو کھل کر کھیلنے کا موقع ملتا ہے کہ ظلمت بڑھتی چلی جاتی ہے لیکن قربِ الٰہی کی صورت میں ابتدا ہی نورانیت کے ظہور سے ہوتی ہے اور جوں جوں ترقی نصیب ہو نورانیت بڑھتی چلی جاتی ہے جس کی وجہ سے ملائکہ مقربین کا نزول قلب پر ہوتا ہے اور اس کے لیے بشارت، سکون اور اطمینان کا باعث بنتے ہیں۔ (حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہٗ)

دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے حکم میں تمہیں ان پر ہرگز ترس نہ آئے اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو"۔

کوڑے مارنے کی سزا غیر شادی شدہ کے لیے شادی شدہ کے لیے رجم ہے جو مسلمان ترمذی ابوداؤد اور مسند احمد میں مذکور ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ نبی رحمتؐ نے ظلم کے تینوں دروازوں پر سخت قسم کا پہرہ بٹھا دیا۔ ان حدود کو پھاند کر اور ان کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر جو ظلم کا ارتکاب کرے گا، ایک تو وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا دوسرا معاشرے کا امن و سکون برباد کرے گا۔

نبی رحمتؐ نے ان تینوں کو ایک جملے میں جمع کر کے ارشاد فرمایا۔

کل المسلم علی المسلم حرام دمه وعرضه وماله (مسلم)

یعنی مسلمان کی جان مال اور آبرو دوسرے مسلم پر حرام ہے۔

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

نبی رحمت ؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع کے موقع پر کا خطبہ خاص اہمیت کا حامل ہے اس میں آپ کی ۲۳ برس کی اصلاحی کوششوں کا خلاصہ اور نچوڑ پیش کر دیا گیا ہے۔ اور انفرادی و اجتماعی زندگی کو پُرامن بنانے کے زریں اصول بیان فرمائے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا میں یہ خطبہ کئی سندوں سے درج کیا ہے اس کے چند اہم حصے پیش خدمت ہیں۔

(۱) فرمایا:- ان دماءکم واموالکم حرام علیکم الی ان تلقوا ربکم کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھرکم ھذا

یعنی اے لوگو! تمھارے آپس کے خون اور مال تم پہ حرام ہیں یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو جس طرح سے یہ دن، تمھارا یہ شہر اور تمھارا یہ مہینہ حرام یعنی قابل احترام ہے

(۲) ایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم بنو آدم وآدم من تراب۔ ان اکرمکم عنداللہ اتقکم ولیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقویٰ۔

یعنی اے لوگو! تمھارا رب ایک ہے اور تمھارا باپ بھی ایک ہی ہے تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تھے۔ بیشک معزز کو اللہ کے نزدیک تم میں سے وہ ہے۔ جو تم میں سے زیادہ اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہے۔ عربی کو عجمی پہ کوئی وجہ فضیلت نہیں ہے۔ سوائے تقویٰ کے۔

(۳) انما المؤمنون اخوۃ ولا یحل لامری مال اخیہ الا بطیب نفس منہ

لوگو! تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ کسی مسلمان کے لیے اپنے بھائی کا مال بغیر اس کی آزاد مرضی کے لینا جائز نہیں۔

(۴) فمن کانت عندہ امانۃ فلیودھا الی من ائتمنہ علیھا۔

جس کے پاس کسی کی کوئی امانت ہو اس کو اس کے مالک کے پاس پہنچا دے۔

(۵) ان ربا الجاھلیۃ موصوع۔

یعنی جاہلیت کا تمام سودی کاروبار آج سے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

(۶) ان ماثر الجاھلیۃ موضوعۃ

اور جاہلیت کے تمام مفاخر اور باعث غرور عہدے آج سے ختم کیے جاتے ہیں۔

(۷) ایھا الناس ان لنساءکم علیکم حقا ولکم علیھن حق ان لا یوطئن فرشکم غیرکم ولا یدخلن احدا تکرھونہ بیوتکم الا باذنکم ولا یاتین بفاحشۃ

" لوگو! عورتوں کے تم پر حقوق ہیں اور تمھارے عورتوں پہ حقوق ہیں کہ تمھارے بستروں پہ کسی دوسرے کو نہ سونے دیں اور تمھاری اجازت کے بغیر ایسے لوگوں کو تمھارے گھروں میں نہ آنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو۔ اور بے حیائی کے قریب نہ جائیں۔

(۸) فلا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض فانی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلوا بعدہ کتاب اللہ

یعنی لوگو! میرے بعد تم لوگ کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔ میں تمھارے پاس ایک ایسی چیز چھوڑ چلا ہوں اگر تم نے اس پر عمل کیا اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھا تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ اللہ کی کتاب ہے۔

(۹) ان اللہ قد قسم لکل وارث نصیبہ من المیراث ولا یجوز وصیتہ فی اکثرھا من الثلث

لوگو! اللہ نے ہر وارث کے لیے اس کا حصہ مقرر کر دیا ہے اور کسی کو اپنے مال سے تہائی سے زیادہ وصیت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

(۱۰) فلیبلغ الشاھد الغائب

لوگو! تم میں جو یہاں موجود ہیں غیر موجود لوگوں تک یہ باتیں پہنچاتے رہنا۔ اس خطبے میں نبی رحمت ؐ نے انسان کے جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت اور احترام کرنے کے لیے جامع ہدایات ارشاد فرما دیں۔ مگر المیہ یہ ہے کہ امن کے اس پیامبر رسول کی امت اس کی مقرر کردہ ہر حد کو توڑنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔

http://owaisahbooks.blogspot.com/

ووٹ کس کو دیں؟

مولانا محمد اکرم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ ....

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ: (پارہ ۱۰ : سورۃ توبہ : رکوع ۱۵)۔

سورۃ توبہ میں دسویں پارے میں یہ پندرھواں رکوع ہے اور میں اس کا بالکل سادہ اور سلیس سا ترجمہ عرض کرنا چاہوں گا۔ اس سے آگے ہر آدمی کو اختیار ہے کہ وہ کل اپنے لیے کیا چاہتا ہے۔ آج اسے پسند کر لے۔ کوئی شخص کسی دوسرے کے لیے کوئی چیز مسلط کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ رب کریم نے ہر شخص کو اختیار دیا ہے کہ اپنے لیے وہ کیا چاہتا ہے لیکن دونوں راستے واضح کر دیئے ہیں رب کریم نے۔

آج پھر ہمارے ملک میں ابتدار ہو رہی ہے الیکشن کی۔ ہماری سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہم ہر حالت میں مغرب کے پیچھے چلنا چاہتے ہیں۔ خواہ وہ کنویں میں گر جائیں، تو ہم بھی چاہتے ہیں کہ ہم کنویں میں گریں ورنہ یہ مروجہ جمہوریت جو ہے یہ اہل مغرب کو تو شاید راس آئے ہماری ملکی حالت اور ہماری علمی استعداد ایسی نہیں ہے کہ ہم اسے اپنا سکیں۔ مغرب میں ایک عام آدمی بھی گریجوایٹ ہے لوگ پڑھے لکھے ہیں۔ اسطرح کی جب ووٹنگ ہوتی ہے تو ان میں زیادہ پڑھے لکھے لوگ آ جاتے ہیں۔ وہ کافر ہوں، بد دیانت ہوں یا جیسے بھی ہوں لیکن وہ پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔ وہ بات کو سمجھتے ہیں، کام کو سمجھتے ہیں اور کرنا بھی سمجھتے ہیں۔ ہمارے ہاں پڑھے لکھے لوگ بہت کم ہیں اور ایسے لوگوں کی اکثریت ہے جن کا علم سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ الیکشن میں جو لوگ چنے جاتے ہیں ان میں بیشتر ان پڑھ ہوتے ہیں۔ اور پھر جو صورت حال پیش آتی ہے یہ ہوتی ہے کہ ایک آدمی گریجوایشن کرتا ہے۔ پھر وہ ساری عمر مقابلے کے امتحان دیتا ہے، پھر کورسز کرتا ہے اور سی۔ ایس۔ پی آفیسر بن کر وہ ساری عمر کھپا کر پچیس تیس سال بعد کہیں ڈپٹی سیکرٹری یا سیکرٹری جا کر بنتا ہے گریڈ بیس یا اکیسویں میں جا کر پہنچتا ہے۔ اس کی ساری عمر کی تعلیم، ساری عمر کا تجربہ اس کے ساتھ ہوتا ہے لیکن اس پر جو وزیر آ کر بیٹھ جاتا ہے وہ بقلم خود ہوتا ہے اور انگوٹھا لگانے والا آدمی ہوتا ہے۔ اس کے پاس نہ تجربہ ہوتا ہے نہ تعلیم ہوتی ہے۔ دین داری یا دیانتداری کی بات نہیں ہے۔ دنیوی اہلیت کے اعتبار سے بھی ہمیں یہ طریقہ راس نہیں ہے۔

لیکن ہماری مجبوری یہ ہے کہ جو مغرب میں ہوتا ہے وہ ہم کریں۔ اس لیے ہم وہی کرتے جو وہاں ہوتا ہے۔ اسمبلی

بھی حکمرانوں کی بات اپنی جگہ میری اور آپ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم کس آدمی کو ووٹ دے رہے ہیں اور کس ارادے سے دے رہے ہیں۔ بنیادی طور پر اس ملک کا حال یہ ہے کہ بلا تکلف یہ کہا جا سکتا ہے کہ حکومت کے سارے اعمال چپڑاسی سے لے کر گورنر تک ان سب کا رویہ اس ملک کے ساتھ ایسا ہے کہ جیسے یہ کسی فاتح لشکر کے سپاہی ہیں اور اس ملک کو انہوں نے فتح کیا ہے اور انہوں نے اسے جی بھر کر لوٹنا ہے اور انہوں نے سزا دینی ہے۔ اس ملک کے رہنے والوں کو اور انہیں کچلنا ہے۔ پیسنا ہے۔ انہیں آئندہ سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑنا۔ یہ سمجھ نہیں آتی کہ یہ لوگ لوٹ کر کہاں لے جائیں گے۔ ان کا اپنا گھر بھی یہیں ہے۔ ان کے اپنے عزیز و اقارب بھی یہیں ہیں۔ انہیں یہیں مرنا ہے۔ اسی مٹی میں دفن ہونا ہے۔ نہ جانے اس مٹی کو یہ لوٹ لوٹ کر کہاں لے جائیں گے، کیا کریں گے اس کا۔ لیکن اس کے باوجود مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ اب نئے لوگ جو میدان میں اتر رہے ہیں۔ ان کے دل میں یہ حسرت ہے کہ اس لوٹ سے ہم کیوں پیچھے رہ گئے۔ میرا آپ کا ووٹ لینے کوئی نہیں اتر رہا۔ میدان میں بلکہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب سے محفوظ سرمایہ کاری ہے کہ آج بیس پچیس لاکھ الیکشن پر لگاؤ اور کل پچاس کروڑ جمع کر لو۔

اتنا منافع اور کسی تجارت میں نہیں ہے جتنا اس میں ہے اور یہ وہ باتیں جو ہر شخص کے دل میں ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ زبان پر لانے کی سکت نہیں ہے۔ ہم مجبور ہیں۔ ہم بزدل ہیں اور غیرت ایمانی سے لوگوں کے دل خالی ہو چکے ہیں۔ اس لیے کوئی شخص بات کرنے کی جرأت نہیں کرتا اور اس سے بڑھ کر ہر شخص اپنے آپ کو اس لوٹ میں شامل کرنا چاہتا ہے۔

لیکن رب کریم ہر ایک کے حال کو دیکھ رہا ہے۔ یاد رکھیں ظلم کے لیے بہت زیادہ لمبی مہلت نہیں دی جاتی۔ یہ اللہ کا قانون ہے کفر برداشت ہوتا رہتا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ساری دنیا کافر ہو جائے تو کفر کے لیے بڑی لمبی مہلت مل سکتی ہے۔ ساری دنیا مشرک ہو جائے شرک کے لیے بڑی لمبی مہلت مل سکتی ہے۔ لیکن جب سب لوگ ظلم پر تل جائیں تو ظلم کے لیے لمبی مہلت نہیں دی جاتی۔ یہ قانون ہے قدرت کا، کافر قومیں مدتیں کافر رہیں اور وہ حکومتیں کرتی رہیں۔ لیکن جب انہوں نے ظلم کرنا شروع کر دیا۔ تو ان کی مدت ختم ہو گئی۔ اب اس میں میرا اور آپ کا بھی ایک حصہ ہے، ایک رول ہے ایک پارٹ ہے جو ہمیں پلے کرنا ہے۔ ہمیں ووٹ دینا ہے۔

ووٹ کیا ہے ووٹ اس بات کی ضمانت ہے کہ میں جس آدمی کی تائید کر رہا ہوں یہ دیانتدار نیک صحیح العقیدہ مخلص مسلمان ہے۔ دوسرے اس بات کی تائید ہے کہ جس عہدے جس رتبے کے لیے میں اسے ووٹ دے رہا ہوں اس میں یہ کام کرنے کی اہلیت ہے۔ اس لئے ہم اللہ کے روبرو آج بھی اور میدان حشر میں بھی جوابدہ ہوں گے کہ خدایا جس شخص کو میں ووٹ دے رہا ہوں اس میں جس کام کے لیے میں ووٹ دے رہا ہوں یہ کام کرنے کی اہلیت بھی ہے یہ اس کام کے ساتھ مخلص بھی ہے۔ یہ بڑا پکا سچا اور کھرا مسلمان بھی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کس پارٹی کو ووٹ دیں آپ کس فرد کو ووٹ دیں، کس آدمی کو ووٹ دیں نہ میں یہ کہتا ہوں کہ آپ ووٹ دیں ہی نہیں۔ آپ ووٹ ضرور دیں، لیکن یہ آپ کی ذمہ ہے کہ آپ پیسے لیکر ووٹ نہ دیں۔ آپ کسی سے منتیں کرا کر ووٹ نہ دیں کہ لوگوں کی منتیں، یہ پیسے آپ کے کام نہیں آئیں گے۔ چونکہ آپ نے جو رائے دینی ہے یہ ایک شہادت

http://owaisianbooks.blogspot.com/

ہے، ایک گواہی ہے جو آپ دے رہے ہیں کہ جس شخص کے حق میں میں دے رہا ہوں یہ مخلص بھی ہے۔ دیانتدار بھی ہے صحیح العقیدہ مسلمان بھی ہے اور جس منصب کے لیے میں اپنی رائے یا اپنا ووٹ دے رہا ہوں یہ اس کا اہل بھی ہے اگر یہ سب باتیں نہیں ہیں اس میں تو پھر دو آدمی تین آدمی چار آدمی امیدوار کھڑے ہو جاتے ہیں ایک حلقے میں اور ان چاروں میں کوئی نیک نہیں ہے۔

تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دو برائیاں سامنے آجائیں تو اَھوَن شَرَّین تو دونوں میں سے جو کمتر برائی ہے اسے اختیار کرو۔ تین چار دو آدمی سامنے آجاتے ہیں تو وہ سارے اچھے آدمی نہیں ہیں تو ان میں سے جو کمتر برا ہے اسے اختیار کرو۔ جس کا نقصان آپ کو آپ کے ملک کو آپ کی قوم کو آپ کے معاشرے کو کمتر نقصان ہو جس کا اور اگر یہ بھی نہ ہو ہم نے اگر دیانتداری سے ووٹ نہ دیا۔ ہم نے اگر بددیانتی کی تو جو جو ظلم ہمارے نمائندے جاکر توڑیں گے بغیر کچھ کھائے پیئے ہم اس میں حصہ دار برابر کے ہوں گے۔

رب کریم نے سورۃ توبہ میں تقسیم کر دی ہے افرادِ انسانی کی، فرمایا:

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُھُمْ مِّنْ بَعْضٍ: منافق مرد، منافق عورتیں یہ ایک دوسرے کے وجود کا حصہ ہوتے ہیں جس طرح ایک بدن کے اعضاء و جوارح ہوتے ہیں اسی طرح یہ ایک معاشرہ کا حصہ بن جاتے ہیں اور پھر مل جل کر کرتے یہ ہیں یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ برائی پھیلاتے ہیں جو جس قابل ہوتا ہے کوئی زبان سے کوئی حکم دے کر، کوئی عمل کر کے کوئی نمونہ پیش کر کے کوئی رشوت دے کر، کوئی چوری سے، کوئی زبردستی سے۔ منافق کیا کرتا ہے۔ مرد عورتیں منافق مل کر برائی پھیلاتے ہیں۔ اور نیکی کے لیے راستے روک لیتے ہیں۔

وَیَقْبِضُوْنَ اَیْدِیَھُمْ ط اور لوگوں سے اپنا نفع جو انہیں پہنچانا چاہیئے عقائد روک لیتے ہیں۔ لوگوں کو ان سے فائدہ نہیں ہوتا۔

نَسُوا اللّٰہَ: اللہ کو بھول جاتے ہیں۔ منافقوں کی سب سے بڑی دلیل یہ ہوتی ہے سب سے بڑی نشانی یہ ہوتی ہے کہ عظمتِ باری فراموش کر دیتے ہیں یاد نہیں رہتی۔

فَنَسِیَھُمْ: اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ بھی انہیں اپنی رحمت سے محروم فرما دیتا ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ: یاد رکھو یہ پکی بات ہے، منافق بدکار ہوتے ہیں۔ جب تک ایمان کامل نہ ہو۔ نفاق کی نفی نہ ہو جائے۔ نیکی کی توفیق ارزاں نہیں ہوتی۔

اللہ کریم فرماتے ہیں: وَعَدَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا۔ منافق مردوں، منافق عورتوں اور تمام کافروں کے ساتھ اللہ کریم کا وعدہ ہے کہ انہیں دوزخ کی آگ میں رکھے گا۔ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ چونکہ نفاق کفر کی ایک قسم ہے۔ ایمان ہو گناہ ہو جائے تو اس پر خلود نہیں ہے۔ ہمیشگی نہیں ہے لیکن نفاق کفر کی ایک قسم ہے، منافق مرد منافق عورتیں اور کافر ایک ہی جملے میں رب کریم نے ایک ہی انداز میں ان کا تذکرہ فرمایا۔ وَعَدَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَھَنَّمَ۔ منافق مردوں منافق عورتوں اور کافروں

http://owaisiabooks.blogspot.com/

سے اللہ نے آگ کا وعدہ کیا۔ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ھِیَ حَسْبُھُمْ: اللہ فرماتا ہے یہ ان کے لیے بڑا کافی علاج ہے۔ یہ کم سزا نہیں ہے کہ کسی کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا پڑے۔

وَلَعَنَھُمُ اللّٰہُ اور اللہ کی طرف سے اظہار برأت ہوتا ہے۔ لعنت ہوتی ہے رحمت الٰہی سے دور ہو جانا۔ وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ: اور ان کے لیے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے۔ فرمایا اگر تم سمجھتے ہو کہ وقتی طور پر اگر کسی کے پاس دولت ہے یا اقتدار ہے تو شاید وہ اللہ کی گرفت سے بچا ہوا ہے ایسی بات نہیں ہے فرمایا۔

کَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ کَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْکُمْ قُوَّۃً وَّاَکْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا۔ تم سے پہلے لوگ اس معمورہ عالم میں رہے ہیں۔ جن کے پاس مال بھی طاقت بھی افرادی قوت بھی تم سے زیادہ تھی۔ اور اپنے مال و دولت سے وہ مستفید ہوتے رہے۔ جس طرح وہ تم سے پہلے ہوتے رہے ہے۔ اسطرح تم بھی ہوتے رہو۔ لیکن یاد رکھو یہ نفاق یہ فسق و فجور ایسی بیماری ہے

اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ: ایسے لوگوں سے اگر کوئی بھلائی بھی ہو جائے تو جب ان کا ارادہ اور عقیدہ نظریہ درست نہ ہو تو اس پہ بھی کوئی اجر مرتب نہیں ہوتا کیونکہ بھلائی وہ بھلائی ہے نیکی وہ نیکی ہے جو اللہ کی اطاعت کیلئے کی جاتی ہے۔ اللہ سے روگرداں ہوکر اتفاقاً کوئی اچھا کام بھی ہو جائے تو اس پر اجر نہیں ملتا۔ فرمایا۔

اَلَمْ یَاْتِھِمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ: فرمایا کیا لوگوں کو اپنے سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم قوم عاد اور قوم ثمود ان لوگوں کا تذکرہ انہوں نے نہیں سنا۔ وَقَوْمِ اِبْرٰھِیْمَ اس جابر شہنشاہ کو یہ نہیں جانتے جس نے خلیل اللہ کو آگ میں پھینکوا دیا۔ وَاَصْحٰبِ مَدْیَنَ وَالْمُؤْتَفِکٰتِ: اور مدین کے رہنے والے اور جو تکلفات سے تم واقف نہیں ہو کیا یہ ساری تاریخ تمہارے سامنے نہیں ہے۔

اَتَتْھُمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ: ان کے پاس بھی اللہ کے نبی اللہ کے رسول واضح دلائل لے کر آئے لیکن انہوں نے پرواہ نہیں کی۔ اپنے اقتدار اپنی طاقت اپنے قوت بازو اپنے زور اور اپنے حکومتوں کا ایسا نشہ تھا کہ انہوں نے اللہ کی اللہ کے رسولوں کے احکام کی پرواہ نہیں کی۔ فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظْلِمَھُمْ اللہ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ان کے ساتھ زیادتی کرتا۔ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ انہوں نے خود اپنے آپ کے ساتھ ظلم کیا اور اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔

یہ ایک فریق ہے وہ اگلوں میں سے ہو یا پچھلوں میں سے وہ برسراقتدار طبقے میں سے ہو یا محکوم طبقے میں سے وہ کسی بھی مکتب فکر کے لوگ ہوں جو برائی میں تعاون کریں گے جو برائی پھیلائیں گے جو لوگوں کو عدل انصاف سے محروم کریں گے۔ جو دوسروں کا مال کھانے کی ہوس میں سرگرداں رہیں گے جو دوسروں کا آرام چھین لیں گے۔ آبرو چھینیں گے فرمایا سب ظالم ہیں اور یہ سب منافق ہیں اور یہ ایسے لوگ جنہوں نے اللہ کی یاد جن کے دلوں سے محو ہو گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا بھی اللہ کریم بھی ان کی پرواہ نہیں کرتا۔

http://owaislahbooks.blogspot.com/

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ : وہ اللہ کو بھول گئے اللہ نے انہیں بھلا دیا۔ اب اللہ کریم کا علم تو قدیم ہے ازلی ہے تو خدا کا بھلانا کیا ہوگا۔ یہی اوصاف جب ذات باری کی طرف سے منسوب ہوتے ہیں تو معنی بعید مراد ہوتا ہے مثلاً انسان کا بھلانا یہ ہے کہ اس کے ذہن سے بات ہی نکل گئی۔ اللہ کا بھلانا کیا ہے۔ ہمارے ذہن سے جو بات نکل جائے اس سے ہم بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ اسکی فکر نہیں رہتی۔ وہ آباد رہے یا چیز برباد ہو جائے وہ جڑ جائے یا بکھر جائے اس کا فکر نہیں ہوتا۔ تو جب یاد کی نسبت اللہ کی طرف ہوگی تو معنی بعید مراد ہوگا۔ یعنی وہ پھر تباہ ہو جائے۔ کس وادی میں ہلاک ہو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ جیسے بھولی ہوئی چیز کا کوئی فکر نہیں ہوتا۔ اللہ کریم کو ایسے لوگوں کی پرواہ نہیں ہوتی جو اس کی یاد کو اپنے دلوں سے مٹا دیتے ہیں۔

دوسرا طبقہ ہے مومنین کا فرمایا؛ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ۔ مومن مرد و مومن عورتیں ایک دوسرے کا حصہ ہیں؛ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ: مومنین کی خاصیت یہ ہے کہ وہ نیکی پھیلاتے ہیں برائی سے لوگوں کو منع کرتے ہیں۔ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ؛ اللہ کی عبادت پہ کمربستہ رہتے ہیں وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔ فرائض سنن واجبات ہر عبادت کو اپنی اپنی جگہ پہ ادا کرتے ہیں۔

وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ؛ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ؛ ایسے یہ لوگ اس بات کے مستحق ہیں کہ جب وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کے لیئے کوشاں ہیں تو انسان ہوتے ہوئے اگر ان سے غلطی بھی ہو جائے تو اللہ کریم کی رحمت کے مستحق ہیں وہ۔ اللہ ان پر رحم فرمائے گا۔ ان کی کوتاہیوں سے بھی درگزر فرمائے گا جو بتقاضائے بشریت انسانی کمزوریوں کیوجہ سے سرزد ہو جاتی ہیں۔ اللہ کریم ہے اس کی رحمت وسیع ہے۔ اور ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے جو کوشاں تو نیکی کیلئے ہوتے ہیں۔ لیکن انسانی کمزوریوں کی وجہ سے کبھی کوتاہی بھی ہو جاتی ہے کیونکہ انسان بہرحال انسان ہے وہ فرشتہ نہیں بن سکتا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ؛ اللہ غالب ہے اور حکیم ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا؛

اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے وعدہ کیا ہے اس جنت کا جو سدا سرسبز ہے جس میں نہریں بہتی ہیں۔ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً" اور بہترین گھروں کا۔ فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ؛ اور اعلیٰ باغوں میں ہیں۔ ساری تعریفیں جنت کی کرنیکی بعد اللہ کریم فرماتے ہیں۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ؛ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان پہ اللہ راضی ہو گیا۔ اللہ کی خوشنودی انہیں حاصل ہوگی۔ رب کریم کی رضامندی انہیں حاصل ہوگی۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ؛ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

http://owaisiahlebooks.blogspot.com/

یہ تھا اس رکوع کا سادہ اور سلیس سا ترجمہ۔ میں نے جس تمہید کے ساتھ شروع کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی طرف سے آپ تک یہ بات پہنچا دوں کہ یہ ووٹ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ میرے خیال کے مطابق الاماشاءاللہ مخلص لوگ بھی ضرور ہوں گے۔ لیکن اکثریت ان لوگوں کی ہے جنہیں یہ افسوس ہے کہ دوسرے لوٹ کر کھا گئے اور ہم اس لوٹ میں پیچھے رہ گئے کہ ہمیں بھی اندر داخل ہونا چاہیے ہم بھی لوٹیں۔ میں کل وہاں سڑک سے گزر رہا تھا اور ایک بوڑھا سا زمیندار لاٹھی کے سہارے چل رہا تھا۔ اس کے قدم گھسٹ رہے تھے سڑک پر اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ شخص بھی حکومت کو مالیہ ادا کرتا ہے۔ یہ امراء کے اور حکام کے جہاز جو اڑتے ہیں ان کے پرزوں میں اس اس کا خون پسینہ بھی شامل ہے۔ لیکن اسے حکومت سے کیا مل رہا ہے کوئی اس کا گھر لوٹ لے کوئی پوچھنے والا نہیں کوئی اس کی آبرو لوٹ لے کوئی پوچھنے والا نہیں، کوئی اسے قتل کر دے، کوئی اس کی شنوائی نہیں۔ کیسے کیسے غرباء اپنی محنت کی کمائی سے پائی پائی جمع کر کے ووٹ دے رہے ہیں۔ جس پر نظام حکومت چلتا ہے۔ جس پہ وزیروں کی موٹریں اور حکمرانوں کے جہاز اڑتے ہیں۔ انہیں خدا کا خوف نہیں ہے کہ کتنے مساکین ہوں گے۔ جو ایک ایک حکمران کا دامن پکڑیں گے یہ کیا جواب دیں گے یہ کیا کہہ سکیں گے۔ یہ ہزاروں عزتیں جو اجڑتی ہیں، یہ لاکھوں گھر جو جلتے ہیں یہ لاکھوں افراد جن کے سینے چھلنی ہوتے ہیں۔ کیا یہ مسلمان نہیں۔ کیا یہ اس ملک کے شہری نہیں انہیں جو قتل کرتے ہیں جو مارتے ہیں وہ بھی مسلمان نہیں ہیں؟ کونسا کافر اس ملک پر حملہ آور ہوا ہے۔ جو جل رہا ہے وہ مسلمان کا گھر ہے جس نے دیا سلائی دکھائی ہے وہ بھی کلمہ پڑھتا ہے جو لٹ رہا ہے وہ مسلمان ہے جو لوٹ رہے ہیں وہ مسلمان ہیں اور حکومت کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ کیا یہ حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے کہ ظالم کو سزا دے اور اتنی عبرتناک دے کہ آئندہ کسی کو ظلم کرنے کی جرأت نہ ہو۔ اور یہ انسانی مزاج ہے۔

سب سے بہترین زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور خلفائے راشدین کا ہے۔ خلافت راشدہ میں صحابہ کرام کے سروں پر فاروق اعظم دُرّہ لے کر پھرا کرتے تھے۔ خبردار کسی نے کوتاہی کی یہ انسانی مزاج ہے حاکم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ساری پبلک کو قواعد اور اپنے اس ضوابط کی پابندی کرائے۔ لیکن یہاں جنگل کا قانون ہے۔ طاقتور جو چاہے کر لے اور کمزوری سب سے بڑا جرم بن چکا ہے۔

لوگو! خدا کا خوف کرو اور اس مظلوم اور کمزور لوگوں پر مزید ظالموں کو مسلط نہ کرو۔ اگر تم ان سے ظلم روک نہیں سکتے تو مزید بدکاروں کو تم ان پر مسلط نہ کرو کل تمہیں بھی اللہ کے ہاں جواب دینا ہے۔ آج اگر ووٹ تمہارے ہاتھ میں ہے تو کل کا ترازو رب کریم کے ہاتھ میں ہو گا۔

میں کسی کی موافقت نہیں کرتا۔ مجھے کسی کی مخالفت کرنے کی غرض نہیں ہے۔ لیکن میرے خیال میں ہم دنیا کے کتوں میں گھر چکے ہیں۔ ان میں مختلف رنگوں، مختلف نسلوں، مختلف مزاجوں کے کتے ہیں۔ زیادہ کاٹنے والے کو بچا کر کم از کم کاٹنے والے کو مسلط کرو، کوئی سرخ ہے، کوئی سیاہ ہے، کوئی سفید ہے کوئی بھورا ہے کوئی کاٹنے والا ہے کوئی دوڑنے والا ہے کوئی شکاری ہے۔ اکثریت دنیا کے طالب، اور دنیا کے طالب کو کتا کہا جاتا ہے۔ قوم بک جائے، ملک بک جائے، غرباء اور مخلص پس جائیں۔ ان کی جیبیں گرم ہو جائیں۔ ان کے پاس پیسہ آجائے اور یہ فرعون بننا چاہتے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ لوگ

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

ہمارے دروازے پر جھکیں۔ لوگ ہماری منتیں کیا کریں۔ لوگ ہمیں کاروں میں بٹھا کر لے جایا کریں اور ہم لوگوں کی حالت زار پر ہنسا کریں یہ فرعون بننا چاہتے ہیں اور یہ ہمیشہ ہم سے ہوتا ہے۔ جب الیکشن کا موقع آتا ہے تو بڑی بڑی کاریں دور دراز کچے راستوں پر دھکے کھاتی پھرتی ہیں اور پھر پانچ سال بعد ان کے گھر پر جاؤ تو یہ گھر پر نہیں ملتے۔

لیکن یہ ہمارے اعمال کا علاج ہے۔ ہم بنیادی طور پر ووٹ دیتے وقت یہ سوچتے ہیں کہ میں جرم کروں گا تو میرے جرم کی پردہ پوشی کون کر سکے گا۔ میرے ساتھ میرے گناہ میں تعاون کرے گا۔ ہم خود ظالم ہیں اور ہم ان ظالموں کو ووٹ دیتے ہیں جو ہمارے ظلم میں ہمارے ساتھ تعاون کر سکیں۔ کیا ہمیں کل اللہ کے حضور جواب نہیں دینا ایک غریب و مفلس و بے بس انسان پر جو ظلم ہوتا ہے۔ اس میں ہمارے ووٹ کی تائید شامل ہوتی ہے۔

تو از راہ خدا اللہ کو حاضر ناظر جان کر اور یہ سمجھ لو کہ کتنے ایسے لوگ ہیں جو اس بنیاد پر محنت کرتے رہے ہیں کہ کل یہ کر لیں گے اور کل انہیں فرصت ہی نہ ملی۔ زندگی مہلت ہی نہیں دیتی آدمی چلا جاتا ہے۔ تو یہ سوچ لو کہ صبح کو ووٹ دے چکو، رات کو موت آ جائے تو یہ بتا سکو کہ خدایا میں نے اپنی رائے کا حق دیانتداری سے استعمال کیا ہے۔ مجھے اس میں پیسے کی طمع نہیں تھی مجھے اس میں کسی اقتدار کی طمع نہیں تھی۔ میں نے یہ سمجھا ہے کہ یہ شخص دوسروں کی نسبت مناسب ہے یہ دوسروں سے کم نقصان دہ ہے۔ اگر نفع نہیں دے سکتا تین چار یا پانچ آدمی اگر سب برے ہیں تو ان میں کسی کم برے کا انتخاب کر لو۔ اور یہ انتخاب کرنا میری ذمہ داری نہیں ہے یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ آپ لوگوں سے واقف ہیں ہر ہر حلقے میں ہر ہر جگہ ہر فرد جو ہے وہ اپنے قریبی لوگوں کو بہتر جانتا ہے۔ ہاں میں یہ بالکل واضح طور پہ بتا دوں کہ یہ ووٹ شہادت ہے۔ اس بات کی کہ یہ آدمی دیانتدار ہے مخلص ہے صحیح العقیدہ مسلمان ہے نیک ہے اور جس کام کے لیے انتخاب لڑ رہا ہے اس کام کو کرنے کی اس میں اہلیت ہے۔ آج ہم حکومت کے سامنے پکڑے نہیں جائیں گے۔ تو کل رب کریم کے سامنے تو کوئی چھپنے کی جگہ نہیں ہوگی۔

تو زندگی میں کبھی آپ بھی اگر آپ کو اس ملک پہ رحم آتا ہے اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ مزید آگ نہ لگے اس میں اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ مزید عزتیں برباد نہ ہوں تو خدا کے لیے شرفاء کو ووٹ دیں اور بدکاروں سے اپنی جان بچائیں۔ اگر آپ بنیاد ہی ٹیڑھی رکھیں گے تو آخری میرے تک ہر اینٹ ٹیڑھی ہوتی چلی جائے گی۔ یہ میری آپ کی ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہم اس ملک کی حفاظت کریں۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کے لیے کوشاں ہوں اور یہاں امن و امان قائم ہو۔ ورنہ یاد رکھیں جو روش جاری ہے اور جو کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے اللہ کریم ہمیں معاف کر دے اور اس سے توبہ کرنے کی توفیق دے ورنہ یہ روش رہی تو آپ سالوں کا انتظار نہ کریں پھر یہ آپ کے الیکشن اور آپ کی حکومتیں دنوں کی محتاج ہیں۔ مہینوں کی محتاج ہیں سالوں کی نہیں۔ کیونکہ اتنا عظیم ظلم اتنی لمبی مہلت نہیں پایا کرتا۔ اور آنے والے کے ہاتھ میں شاید اتنی بڑی تلوار ہو اور کتنے سر قلم ہو جائیں

آپ نے اپنے ارد گرد دیکھا آپ نے بنگال میں دیکھا کیا ہوا۔ آپ نے کابل میں دیکھا کیا ہوا۔ آپ ایران میں دیکھ رہے ہیں۔ کیا نہیں ہوا۔ آپ سری لنکا میں دیکھ رہے ہیں کیا حشر ہو رہا ہے۔ میں اور آپ کون سے فرشتے ہیں کہ ہم پر اس طرح کا عذاب

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

مسلط نہیں کر دیا جائے گا۔ اگر ہم ظلم کرتے رہیں گے تو اس کا نتیجہ بھی سوائے بربادی کے کچھ نہیں نکلے گا۔ اور جب اجتماعی بربادیاں آتی ہیں تو بڑے بڑے پارسا بھی اس طوفان میں بہہ جاتے ہیں۔ پارسائی کسی ایک فرد کے کام نہیں آتی۔ من حیث القوم نیکی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ قومی مصیبتوں کو ٹالنے کے لیے اور خوش بخت قومیں۔ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے عذاب کے آثار دیکھ کر توبہ کر لی تھی۔ اور اللہ کریم نے آسمانی عذاب اُن سے ٹال دیا۔ جو کچھ میں اور آپ دیکھ رہے ہیں کیا یہ عذاب کے آثار نہیں ہیں۔ کیا ہم اس سے زیادہ دیکھنا چاہتے ہیں۔

پورے ملک میں ایک آدمی نظر نہیں آتا جو اطمینان کی نیند شام کو سو جائے کہ مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے اس سے کیا تصور کیا جا سکتا ہے۔ بدامنی کا۔ تو خدا کے لیے اپنے آپ پر رحم کرو۔ اپنی آئندہ نسل پر رحم کرو اس ملک پہ رحم کرو خدا نے میرے اور آپکے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا ہے۔ اسے تباہی سے بچالو اسے بدکاروں اور ظالموں کے ہاتھوں میں نہ دو۔ اس کے لیے مخلص اور نیک لوگ تلاش کرو اور اگر کوئی مجھ سے پوچھے تو میں تو یہ کہتا ہوں کہ جس حلقۂ انتخاب میں کوئی نیک آدمی نہ ہو۔ سب ووٹروں کو چاہیئے کہ انکار کریں کہ ان میں کوئی نیک آدمی نہیں۔ حکومت کو بھی پتہ چلے کہ اس ملک میں کچھ دیانتدار لوگ ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ دیانتدار اور اچھے لوگ آگے آئیں۔ ایک مرد ایک عورت نہ جائے پولنگ اسٹیشن پہ پتہ چلے کہ چار یا تین یا دو امیدوار جو کھڑے ہیں دونوں میں نیک کوئی نہیں۔ نیک آدمی سامنے لاؤ۔ لیکن اتنی جرأت کہاں۔

میرے بھائی ایک دن کی خوشامد پرست بکو کہیں ایک دن کی خوشامد کے بدلے ہمیں ہمیشہ کا عذاب نہ مل جائے۔

اللہ کریم ہم سب کو نیکی کی توفیق دے اور صحیح قوت فیصلہ عطا کرے اور اس ملک کو قائم رکھے۔ اس پہ نیک لوگوں کو حکمران بنائے اور اپنے اور اپنے نبی کے عطا کردہ قانون پہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نبوت کے دو پہلو ہیں۔ ایک ظاہری، دوسرا باطنی۔ نبیؐ باطنی پہلو سے احکام بذریعہ وحی اور بذریعہ کشف و الہام حاصل کرتا ہے۔ (اور انبیاء کا الہام و کشف قطعی ہوتا ہے) اور ظاہری پہلو سے مخلوقِ خدا کو احکام پہنچاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نبوت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامت تک باقی ہے۔ چونکہ آپ خاتم النبیینؐ ہیں لہذا یہ دونوں پہلو نبوت کے بھی باقی ہیں۔ اور ان دونوں کی بقا موقوف ہے۔ ان دونوں پہلوؤں کے علماء پر۔ جو علوم ظاہریہ کے عالم ہوں اور علوم باطنیہ کے عالم ہوں۔ لہذا علمائے ظواہر کا جس طرح بقا ضروری ہے۔ جو حاملِ شریعت ظاہری نبوت کے ہیں۔ اسی طرح علمائے باطن کی بقا بھی ضروری ہے جو حامل ہیں علوم باطنیہ کے۔

(حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ)

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

محاسبۂ آخرت

فاطمہ صادق

محاسبۂ آخرت کا
سوال ان چار سوالات پر مشتمل ہوگا
۱۔ عمر کہاں کھپائی؟
۲۔ جوانی کن مشاغل میں صرف کی؟
۳۔ مال کہاں سے کمایا؟
۴۔ مال کہاں خرچ کیا؟
(راہ عمل، مصنف محمد احسن ندوی)

اس حدیث پر غور کرنے سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک زندگی اور ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر انسان اور پوری انسانی زندگی کی فلاح کا مدار ہے۔ ہم موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر مکمل یقین رکھتے ہیں تو ہماری سوچ سمجھ، ہماری بول چال، کام کاج کا رنگ ڈھنگ، کچھ اور ہوگا اور اگر موت کے بعد کی زندگی پر یقین نہیں تو انسانی زندگی کا فکر و عمل تہذیب و تمدن کلچر، معاشرت، معیشت، تجارت، مالیات، عدالت، تعلیم، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، رسم و رواج، مرنا جینا، تک مختلف رخ اختیار کرے گا۔ بڑی بڑی اہم باتیں ہی نہیں، معمولی جزئیات تک میں فرق نمایاں ہوتا چلا جائے گا۔ اس حدیث میں دوسری بات محاسبہ کی ہے۔ یعنی دنیا کی پہلی زندگی میں انسان نے جو کچھ سوچا سمجھا بے مقصد زندگی گزاری یا ذمہ دارانہ، اس کی جانچ پڑتال ہوگی اور جواب دینا پڑے گا۔ جوابدہی کوئی بے معنی کہانی نہیں، نہ من گھڑت مسئلہ ہے کہ لوگوں کو خوفزدہ اور دھمکایا جائے بلکہ ایک حقیقت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں بار بار کیا ہے۔ آخرت کی زندگی اور حساب کی بات کو بہت وضاحت سے سمجھایا ہے۔ مختلف انداز سے بیان کیا ہے تاکہ آدمی اس نہایت اہم معاملہ کو کسی نہ کسی طرح سمجھ لے۔

فرمایا "کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے" "ان کو ہماری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے پھر ہم کو ہی ان کا حساب لینا ہے" اور "اس روز ان سے تمام نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا"

یہ چند آیات کا ترجمہ ہے جن سے ثابت ہے کہ موت کے بعد جینا ضرور ہے اس میں دنیا کی زندگی کا حساب ہوگا۔

اس شخص نے اس کام کو کرنے کا وعدہ کیا ہو۔ جب تک دو فریقوں کے درمیان کوئی عہد معاہدہ طے نہ پا چکا ہو۔ جواب طلبی کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا اس سے ثابت ہوا کہ خالق اور مخلوق کے درمیان ایک معاہدہ موجود ہے جسے نباہنے کا اقرار کل نسل انسانی کر چکی ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق و مالک تسلیم کیا اور مالک و آقا تسلیم کرنے کے نتیجہ میں اس کو اطاعت فرمانبرداری کا وعدہ اور رسولوں کے ذریعہ جو رہنمائی ملتی رہے گی اس کی پیروی میں کاروبار زندگی کی منصوبہ بندی اور دنیا کا انتظام چلانے کا قول و قرار شامل ہے

جواب طلبی تو نوع انسانی کے ہر فرد سے ہوگی۔ خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، خواہ وہ کسی بھی ملک اور جغرافیہ سے تعلق رکھتا ہو اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی بچھائی ہوئی دنیا میں رہتا ہے اسی کے عطا کردہ وسائل حیات سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ خدا کی نافرمانی کر کے اس سے اپنا رشتہ توڑ کر وہ کسی دوسری خدائی میں نہیں چلا گیا۔ اسی کی دنیا میں اسی کے ہوا پانی اور روشنی سے بہرہ مند ہوتا رہے اسی کی زمین پر من مانیاں کیں اور فساد پھیلایا۔ اس کا حساب تو اللہ تعالیٰ ضرور ہی لے گا اور اسی کو دینا پڑے گا اس کے بعد آتا ہے اقرار اسلام کی جوابدہی کا مرحلہ جن لوگوں نے اقرار توحید اور اقرار رسالت کیا اور اس کی کتاب کو پڑھا سنا سمجھا اور برتا، اس کی ان سے پوچھ ہوگی۔ جوابدہی کی نوعیت کیا ہوگی اس کے لیے بطور نمونہ چار سوال سب سے پہلے سامنے رکھے جائیں گے۔ پہلا سوال عمر کے بارے میں ہوگا ایک شخص کو دنیا میں کام کرنے کے لیے جو وقت دیا گیا اسے کارآمد بنایا یا کہ ضائع کر دیا اگر ہم سمجھ لیں کہ پوری دنیا اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور اس کائنات میں سب سے اشرف المخلوق انسان ہے۔ نہایت محترم و معزز تمام فضیلتوں سے مالا مال، بعض اوصاف میں اپنے خالق سے

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

قریب تر لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم بعض کیفیات میں فرشتوں سے بلند مقام ٹھہرایا۔ اس حقیقت کے اثبات کے لیے نمایاں اور عملاً تعظیم کرائی پھر جس شخص نے اپنے خالق کے منشا کو سمجھا اپنے مقصد تخلیق کو پہچانا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔ کاروبار زندگی میں خالق کی حاکمیت و فرمانروائی کو قائم کیا اور روزمرہ زندگی میں خالق کی فرمانبرداری میں بسر کی اپنے سیرت و کردار، اعمال و افعال سے ثابت کیا کہ وہ اس کائنات میں ایک بامقصد اور ذمہ دار شخص ہے اس نے گویا اپنی زندگی کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کیا اور عمر کے وقت کو کارآمد کر لیا اور جس شخص نے اقرار اسلام کے باوجود اپنے مقام درتبہ کو پہچانا نہ اپنی قدر و منزلت کو سمجھا نہ اپنے طرز حیات کی منصوبہ بندی خالق کے بتائے ہوئے راہنما اصولوں کے مطابق کی یا ایسے ہی بے سوچے سمجھے زندگی گزار دی اور خواہشات نفس کی لہروں پر بہنے اور لطف و تفریح حاصل کرنے کو ہی حاصل زندگی خیال کیا اس نے انسانیت کے شرف و فضیلت کے بلند مقام سے اپنے آپ کو نیچے گرایا۔ انسان بننے کی بجائے حیوان بننے پر اکتفا کیا جس طرح حیوان غذا کی تلاش کرتے ہیں پیٹ بھرتے ہیں۔ گھونسلہ بناتے سجاتے ہیں پھر انڈے بچے سے دیئے نسل پھیلائی اور دنیا سے کوچ کیا یہی حیوانی چلن اختیار کیا تو اس نے نہ اپنی عمر کی قدر کی نہ وقت کی بلکہ بعض لوگ تو ایسا کرتے ہیں کہ انسان سے جانور اور جانور سے درندے بن جاتے ہیں ان کو نہ کوئی پچھتاوا گھیرتا ہے نہ افسوس۔ چھین، جھپٹ، لوٹ مار قتل و غارت، جھوٹ فریب، ٹھگی، بدکاری اور جنسی جرائم ان کی پہچان بن جاتے ہیں ان کا دین، مذہب، خدا، عبادت، بندگی جہاد سب کچھ خواہش نفس پورا کرنا اور فساد پھیلانا بن جاتا ہے ایسے شخص نے عمر کو فضول ضائع ہی نہیں کیا بلکہ عمر برباد کی اور نتیجہ میں اپنے آپ کو برباد کر لیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آخرت کے حساب کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور بہت زیادہ ذہن نشین کرانے کی طرف توجہ فرمائی ہے کہ کائنات میں جو اس کی شاہکار مخلوق ہے وہ انجام کی تباہی سے بچے۔ دوسرا سوال جوانی کے بارے میں جواب طلبی کا ہے۔ اگرچہ جوانی کا دور عمر میں شامل ہے مگر بطور خاص جوانی کا حساب (سوال) خاص مطلب ہے عمر میں بچپن کا زمانہ بھی ہے اسے ہم بے سمجھی کی عمر کہہ کر چھوڑ سکتے ہیں۔ عمر میں بڑھاپے کا دور بھی شامل ہے جب طاقت اور قوت گھٹنے لگتی ہے ارادہ پر عمل کی کیفیت میں بے بسی کی چھاپ پڑ جاتی ہے اس لیے آخری عمر میں رعایت کی گنجائش رکھ دی لیکن جوانی، تازگی، چستی، ہمت و حوصلہ، قوت و توانائی کی بہار کا وقت ہے اس میں کسی درگزر اور چشم پوشی کا موقع نہیں اس لیے ٹھوک بجا کر حساب لیا جائے گا کسی عذر، معذرت کی شنوائی نہ ہو سکے گی اس طاقت و توانائی کے خدائی عطیہ کو بے مقصد کھیل تماشوں میں گنوا دینا یا غیر شریفانہ مشاغل میں صرف کر دینا بڑی بدبختی کی بات ہے ایک شخص اپنی ہمت اور کوشش سے بہت سے گمراہ، بھٹکے ہوئے لوگوں کی مدد کر سکتا تھا ان کو بدی کے دلدل سے نکال سکتا تھا مگر وہ خود ہی اپنے جسم و جان کو بدی کے چکر میں پھنسنے سے باز نہ رکھ سکا۔ جوانی کے مشاغل کے لیے جرم و گناہ کی وادیوں میں بھٹکنا اور خواہشات کے جنگلوں میں حوصلہ آزمائی پسند کی اگر جوانی کی گاڑی کو راہ مستقیم پر لگایا ہوتا جسم اور نگاہ کو عفت اور پارسائی کے طریقے سکھائے ہوتے تو فرشتوں سے بلند مقام مل سکتا تھا مگر عفت اور پاکبازی کی کٹھن منزل کو آخرت کا حساب کتاب ہی آسان کرتا ہے ورنہ دنیا کی کسی اور چیز میں اتنی طاقت نہیں کہ جوانی کی شوریدہ سری کے سامنے کوئی رکاوٹ کھڑی کر سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کی جوابدہی کا احساس ہی عفت قلب و نظر پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اگر انسانی زندگی کے لیے پارسائی و پاکبازی کی ضرورت ہے تو محاسبہ آخرت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں اور یہ کہ دنیا میں آنکھ کھولتے ہی اس نظریہ کی بنیاد پر اس کی پرورش اور تربیت ہونی چاہیے کوئی بچہ جوانی میں داخل ہوتے ہی اچانک خود بخود پاکباز نہیں بن سکتا۔ جوانی کے مسائل اور مشاغل پر توجہ دلانے، غور کرنے اور مسلم نوجوان لڑکے لڑکیوں کے شایان شان پاکبازی کا ......

شائستہ و باوقار چلن کرنے کی تیاری کرنے کے لیے ہی جوانی کا حساب دینے کا سوال پہلے سوالنامہ میں رکھا گیا ہے۔ تیسرا سوال ہے کہ مال کہاں سے کمایا۔ اس سوال کا جواب تمام مال، معاملات معاشیات، اقتصادیات، صنعت و تجارت، زراعت، بنکنگ وغیرہ کو سمیٹتا ہے۔ روزی کمانے کے تمام ذرائع وسائل انسان کیلئے ہیں۔ رزق حلال تلاش کرنا اس پر فرض ہے صرف ایک شرط کے ساتھ کہ پاک روزی حلال ذریعہ سے حاصل کریں تاکہ انسان کا مقصد

http://kitaabosunnat-islahibooks.blogspot.com/

محض کمانا ہی نہ بن جائے کیونکہ دولت اور روپے لالچ اور ہوس انسانی کی بدترین کمزوریوں میں سے ایک کمزوری ہے اگر انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری اور جوابدہی کا احساس ہر وم تازہ نہ رہے تو یہ لالچ اس کو ایسے گھناؤنے رنگ میں رنگ دیتی ہے کہ سوچ کر گھن آتی ہے۔ اسے حرام و حلال، جائز و ناجائز کی کوئی تمیز نہیں رہتی۔ ٹھگی، چوری، ڈاکہ تو کمائی کے پرانے ڈھنگ ہیں آج کل ناجائز کمائی کے چکر میں مبتلا انسانوں کی پستی، ذلت اور کمینگی اگر دیکھنا چاہیں تو ہر قدم پر دکھائی دے گی جس طرح گدھ مردار پر گرتا ہے اس طرح لوگ ناجائز پر گرتے ہیں۔ فطرت کی ساری شرافتیں مسخ ہو کر رہ جاتی ہیں سپر مارک کا اسکنڈل بسم اللہ بلڈنگ کا اسکنڈل، تربیلا ڈیم کی کہانی، ریٹائرڈ شدہ کاروں کا اسکنڈل بہاولپور ڈویلپمنٹ اتھارٹی کا اسکنڈل، گذشتہ وزیروں اور حکومتوں کے کل پرزوں کی مال بنانے کی ہولناک داستانیں یہ سب اسی لالچ اور ہوس کی تصویریں اور مختلف منظر ہیں۔ سرکاری محکموں میں جبراً رشوت خوری نے اس کو ناجائز کمائی کے اڈے بنا دیا ہے اس لیے کمائی کی جواب طلبی کو خاص اہمیت دی ہے تاکہ پیٹ کے ذریعہ انسان ذلیل و رسوا ہونے سے بچے اور حلال رزق تلاش کرکے پاک چیز سے پیٹ بھرے۔ سیر چشمی کے ساتھ قناعت کی زندگی گزارے۔ حلال رزق جو اوصاف پیدا کرتا ہے وہ ساری شرافتیں اور خصلتیں اس کے کردار، گفتار اور طریقوں سے ظاہر ہوں۔ چوتھا سوال ہے مال کہاں خرچ کیا۔

اللہ تعالیٰ محض یہی جاننا کافی نہیں سمجھتا کہ مال کہاں سے کمایا بلکہ یہ بھی معلوم کرنا چاہتا ہے کہ کمائی، دولت کن مقاصد پر خرچ کی گئی یہ تو ظاہر ہے کہ حلال کمائی کو حلال کاموں پر خرچ کرنا چاہیے لیکن بہت سے لوگ اس بھید کو نہیں سمجھتے اور پاک پیسہ ناپاک کاموں پر خرچ کر ڈالتے ہیں اگر شراب، جوئے، آفس سیکریٹریوں، سوشل محبوباؤں اور ناجائز عورتوں پر خرچ سے بچ بھی گئے تو جینے مرنے کی ناجائز مسرفانہ رسموں، بیاہ شادیوں، جہیز، بری کے نمائشی اخراجات کی بھینٹ اپنی پاک کمائی چڑھا دی انکی دانست میں یہ مدیں ناجائز کی ذیل میں نہیں آتیں۔ ضرورت سے زیادہ بیش قیمت لباس فرنیچر، آرائش و زیبائش اور تعیش کے سامان اگرچہ جائز ہیں لیکن جب ضروریات زندگی کی حد سے نکل کر نمود و نمائش کی حد میں داخل ہو جائیں گے تو اسراف و تبذیر ہیں اسراف و تبذیر کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے محاسبۂ آخرت ایک کثیر المقاصد اور وسیع مفہوم رکھنے والی اصطلاح ہے۔ سادہ لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ انسانی سوچ سمجھ، قول و فعل، عملی زندگی کی سرگرمیوں کو ترغیب و تہذیب دینے والا کنٹرولنگ پوائنٹ یا قابو میں رکھنے والا تصور ہے محاسبہ سے متعلق مختلف مقامات پر جو سوالات بیان ہوئے ہیں وہ امتحانی سوالات ہیں ان سوالات کو نگاہ میں رکھ کر جوابات کی تیاری کرنی ہے یہ عمر کا مقصد ہے ان چار سوالات میں انسانی زندگی کی تمام سرگرمیاں پہلے دن آنکھ کھولنے سے لیکر قبر کی گود میں جا سونے تک سمیٹ دی گئی ہیں اپنی زندگی خاندان تمدن و تہذیب، کلچر، جوانی سے تعلق رکھنے والے معاملات، مسائل تفریحات، شوق، دلچسپیاں، شادی بیاہ، اگلی نسل، صنعت و تجارت، معاش، مالیات، مدرسہ و منبر، عدالت اور کھیت اور دستر خوان زندگی اور جوانی ہی کے تعلقات ہیں ان کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے ایک کتاب ہے جس نے کتاب کی راہنمائی میں تیاری کرلی وہ آخرت کے حساب سے سرخرو گزرے گا اور جس نے کتاب القرآن، کھول کر نہ دیکھی، بے دریغ خواہشات پوری کرنے کے پیچھے لگا رہا، اس زندگی میں آخرت کے حساب کا مذاق اڑاتا رہا اس کو ناکامی، ذلت و رسوائی کے سوا اور کیا ملے گا۔

اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

باتیں ان کی خوشبو خوشبو

بھلا اندھوں کی بات کو کس طرح تسلیم کرلیں۔ جن میں نورِ بصیرت ہی نہیں۔ قطب اور غوث اُن کی پیشانی پر لکھا تو ہوتا نہیں۔ نورِ بصیرت سے اندھے اُن کے قلوبِ منورہ کو کہاں سے دیکھیں۔ ان برگزیدہ ہستیوں کا دنیوی مقام یہ ہے کہ کوئی اُن میں تاجر ہے کوئی حداد ہے۔ کوئی سبزی فروش ہے۔ اِن گدڑیوں میں یہ لعل صاحبِ بصیرت جوہری کے بغیر کیسے پہچانے جائیں۔

(حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ)

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

عظمتِ صحابہ رضؓ

حافظ نذر محمد ——— ★

صحابی کے معنی ساتھی اور رفیق کے ہیں اور یہ اصطلاحاً وہ نفوس قدسیہ ہیں جنہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رفاقت و محبت اختیار کی۔ اور جس دین کو آپ لے کر آئے تھے، اسے نہ صرف خود قبول کیا بلکہ اسے دنیا میں قائم و نافذ کرنے میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

صحابہؓ امتِ مسلمہ کا سب سے اعلیٰ گروہ، ممتاز طبقہ اور افضل ترین جماعت ہیں۔ یہ حضرات روشنی کے مینار اور پہاڑوں کے چراغ ہیں، وہ سیرت و کردار کے ہر اس اعلیٰ معیار پر پورے اترتے ہیں جو کسی انسان کے لیے مقرر کیا جا سکتا ہے۔ ان کی زندگی کا ہر گوشہ مثالی حیثیت رکھتا ہے، خواہ اسکا تعلق معاشرت سے ہو، معاملات سے ہو، سیاست سے ہو یا عبادت سے۔

اسلام میں اصلاحی حیثیت سے صحابی ہر وہ شخص ہے جس نے حالت ایمان میں رُخ انورؐ کا دیدار کیا ہو۔ قرآن کریم، فرقان حمید سے استفادہ کرنے کا بہترین نمونہ ہمیں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں ملتا ہے، یہ مبارک ہستیاں قرآن پاک کی درسگاہ ایمان و حکمت میں داخل ہونے کے بعد جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں فیضان حاصل کرتی ہیں، اس کی تعریف خود ربّ العزت، ذات وحدہٗ لاشریک نے اپنی کتاب مقدس "قرآن پاک" میں فرما دی ہے۔

صحابہؓ کو ایک طرف تو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہیں خاتم النبیین، نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کی سعادت میسّر آئی، وہ قرآن پاک، اللہ جل جلالہٗ کے اولین مخاطب بنے اور ان میں سے بعض کو اس دنیا میں ہی جنّت کی بشارت دے دی گئی۔ دوسری طرف ایک اور اعزاز اور سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان کیا۔ کسی بندے کی اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ خالق ارض و سما اس سے راضی ہو جائے۔ قرآن پاک میں اس رضا کا صاف صاف اعلان ہے۔

○ "اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔" (سورۃ مائدہ ۱۱۹)

○ "وہ مہاجر و انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ اِن کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔" (سورۃ توبہ ۱)

○ "بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے راضی ہوا جبکہ یہ لوگ درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔"

(سورۃ فتح ۱۸)

○ "اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گا، وہ اللہ سے راضی ہونگے یہ لوگ اللہ کا گروہ (حزب اللہ) ہیں۔ خوب سُن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔" (سورۃ مجادلہ ۲۲)

ظاہر ہے کہ ایک انسان کی زندگی کا حاصل اور ایک مسلمان کی کشمکش حیاتؐ کا آخری ہدف یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرے۔ تخلیق انسانی کا مقصد، عبادت کی غرض و غایت اور اسلام کا مدعا یہی ہے۔ اور نبی کریم رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جس تعلیم کو لے کر آئے اس کا آخری سبق یہی ہے اس اعتبار سے صحابہؓ کی زندگیاں مثال اور نمونہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ میں اعلانِ نبوت فرمایا تو جیسے زمین و آسمان اجنبی بن گئے آپ کا یہ اعلان اہلِ قریش کے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ "صادق و امین" یکایک ان کے لیے خطرہ بن جائیگا اور وہ "شرم و حیا کا پُتلا" جس کی نگاہیں ہمیشہ نیچی رہتی تھیں۔ اس قدر "بے باک" ہو جائے گا کہ اپنے آباؤ اجداد کے مذہب تک کو چیلنج کر گزرے گا اس اعلان کا صاف صاف مطلب یہ تھا کہ نہ

http://owaisiabooks.blogspot.com/

عظمتِ صحابہؓ

حافظ نذر محمد

صحابی کے معنی ساتھی اور رفیق کے ہیں اور یہ اصطلاحاً وہ نفوس قدسیہ ہیں جنہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت و محبت اختیار کی۔ اور جس دین کو آپ لے کر آئے تھے، اسے نہ صرف خود قبول کیا بلکہ اسے دنیا میں قائم و نافذ کرنے میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

صحابہؓ امتِ مسلمہ کا سب سے اعلیٰ گروہ، ممتاز طبقہ اور افضل ترین جماعت ہیں۔ یہ حضرات روشنی کے مینار اور پہاڑوں کے چراغ ہیں، وہ سیرت و کردار کے ہر اس اعلیٰ معیار پر پورے اترتے ہیں جو کسی انسان کے لیے مقرر کیا جا سکتا ہے۔ ان کی زندگی کا ہر گوشہ مثالی حیثیت رکھتا ہے، خواہ اسکا تعلق معاشرت سے ہو، معاملات سے ہو، سیاست سے ہو یا عبادت سے۔

اسلام میں اصلاحی حیثیت سے صحابی ہر وہ شخص ہے جس نے حالت ایمان میں رُخِ انورؐ کا دیدار کیا ہو۔ قرآن کریم، فرقان حمید سے استفادہ کرنے کا بہترین نمونہ ہمیں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں ملتا ہے، یہ مبارک ہستیاں قرآن پاک کی درسگاہ ایمان و حکمت میں داخل ہونے کے بعد جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں فیضان حاصل کرتی ہیں، اس کی تعریف خود ربّ العزت، ذات وحدہٗ لاشریکؑ نے اپنی کتاب مقدس "قرآن پاک" میں فرما دی ہے۔

صحابہؓ کو ایک طرف تو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہیں خاتم النبین، نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کی سعادت میسر آئی، وہ قرآن پاک، اللہ جل جلالہٗ کے اولین مخاطب بنے اور ان میں سے بعض کو اس دنیا میں ہی جنت کی بشارت دے دی گئی۔ دوسری طرف ایک اور اعزاز اور سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان کیا۔ کسی بندے کی اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ خالقِ ارض و سما اس سے راضی ہو جائے۔ قرآن پاک میں اس رضا کا صاف صاف اعلان ہے۔

- "اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔" (سورۃ مائدہ ۱۱۹)
- "وہ مہاجر و انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔" (سورۃ توبہ ۱)
- "بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے راضی ہوا جبکہ یہ لوگ درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔" (سورۃ فتح ۱۸)
- "اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا، وہ اللہ سے راضی ہونگے یہ لوگ اللہ کا گروہ (حزب اللہ) ہیں۔ خوب سُن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔" (سورۃ مجادلہ ۲۲)

ظاہر ہے کہ ایک انسان کی زندگی کا حاصل اور ایک مسلمان کی کشمکش حیات کا آخری ہدف یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرے۔ تخلیق انسانی کا مقصد، عبادت کی غرض و غایت اور اسلام کا مدعا یہی ہے۔ اور نبی کریم رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جس تعلیم کو لے کر آئے اس کا آخری سبق یہی ہے اس اعتبار سے صحابہؓ کی زندگیاں مثال اور نمونہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ میں اعلانِ نبوت فرمایا تو جیسے زمین و آسمان اجنبی بن گئے آپ کا یہ اعلان اہلِ قریش کے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ "صادق و امین" یکایک ان کے لیے خطرہ بن جائیگا اور وہ "شرم و حیا کا پتلا" جس کی نگاہیں ہمیشہ نیچی رہتی تھیں۔ اس قدر "بے باک" ہو جائے گا کہ اپنے آبا و اجداد کے مذہب تک کو چیلنج کر گزرے گا اس اعلان کا صاف صاف مطلب یہ تھا کہ نہ

http://owaisianbooks.blogspot.com

صرف اہل مکہ بلکہ پورے عرب معاشرے سے اعلان جنگ کیا جا رہا ہے، سو وہ ہوا۔

پورا معاشرہ ایک اکیلی جان کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ ہر طرف سے مخالفت کا طوفان اُمڈ آیا۔ یہ بڑا سخت وقت تھا، ایسے حالات میں "داعی حق" کی حمایت و نصرت کے لیے کسی شخص کا آواز بلند کرنا، موت کے ہم معنی تھا۔ مگر زندہ ضمیر افراد ایک ایک کر کے اپنے سر ہتھیلی پر رکھ کر نکل پڑے۔ اس کے ہمدم ہمراز، ہمراہی پشت پناہ، ساتھی اور مددگار بنے۔

انہوں نے ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا ہر آزمائش کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور اہل مکہ کے ہر ظلم و ستم کو بہ رضا رغبت انگیز کیا!

انہیں ستایا گیا، کوڑوں کی ضربیں لگائی گئیں۔ دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا گیا، زنجیریں باندھ کر تپتی ہوئی زمین پر گھسیٹا گیا، تختہ دار پر کھینچا گیا، مقتل کی سیر کرائی گئی، لوہے کے گرم گرم اوزاروں سے داغ لگائے گئے۔ بوجھل پتھروں کے نیچے دابا گیا۔ غرض وہ سب کچھ ہوا جس کا ظلم کے عنوان سے ایک انسان تصور کر سکتا ہے۔ یہ ظلم، یہ آزمائشیں ان باہمت لوگوں کی راہ کھوٹی نہ کر سکیں۔

ان صاحبان عزم و استقلال نے کسی قیمت پر بھی داعی برحق روح کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت گوارہ نہ کی۔ معیت و مصاحبت کو ترک نہ کیا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہاں معززین مکہ مدعو تھے۔ ایک لونڈی دستر خوان پر کھانا چن رہی تھی۔ جب وہ شوربے کا پیالہ حضرت کے سامنے رکھنے لگی تو اچانک اس کا پاؤں پھسل گیا جس سے تمام شوربا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اوپر گر گیا۔ حضرت نے قہر آلود نظروں سے لونڈی کی طرف دیکھا۔ لونڈی تھر تھر کانپنے لگی۔ اسی خوف کی حالت میں اُس کے منہ سے قرآن پاک کے یہ الفاظ نکلے:۔

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ (جو لوگ غصے کو پی جاتے ہیں)

حضرت نے لونڈی سے فرمایا "میں نے غصے کو روک لیا"

پھر لونڈی نے کہا

وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (اور جو لوگوں کی خطائیں معاف کر دیتے ہیں)

حضرت نے فرمایا "میں نے تمھیں معاف کر دیا"

اس کے بعد لونڈی نے یہ آیت پڑھی

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

یہ سُن کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا

"جاؤ میں نے تمھیں آزاد کر دیا۔"

http://awaisiahbooks.blogspot.com/

مستقبل کے مسلمان

قاریہ

گھر کی صفائی کے لیے رکھی جانیوالی ملازمہ جب ذرا معشوقانہ ادائیں دکھانے لگی تو گھر والے جو کہ عاشق صادق بلکہ سرے سے عاشق ہی نہ تھے ہمسایوں کی ملازمائیں تاڑنے لگے۔ تھوڑی تگ و دو کے بعد ایک خاتون دریافت ہوئیں ملنے پہ معلوم ہوا کہ صفائی کا کام وہ نہیں ان کی دس سالہ بچی کرے گی۔ بچی کو دیکھ کر ہم نے زیرلب والدہ سے کہا، یہ تو ڈھنگ سے ناک بھی صاف نہ کرتی ہوگی، لیکن پتا چلا کہ اسے لوگوں کے گھر صاف کرتے ڈیڑھ سال ہوگیا ہے۔ یہ دس سالہ بچی صفائی سے فارغ ہوئی تو ہم یہ کہہ کر کہ، ہاتھ دھوتے وقت کلمہ ضرور پڑھ لینا، خود کو بھی فارغ محسوس کر لیا۔۔

پرسوں کی بات ہے وہ کام سے فراغت کے بعد ہاتھ دھو رہی تھی کہ پاس سے گزرتے ہوئے ہمارے کانوں میں بسم اللہ، بسم اللہ کی آواز آئی، رک کر حیرت سے اسے دیکھا اور کہا جب کوئی چیز پاک کرنا مقصود ہو تو بسم اللہ نہیں کلمہ پڑھتے ہیں اور پھر اچانک خیال آیا۔ کہا، ذرا کلمہ تو سناؤ۔ بچی پہلے جھجکی پھر بولی بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ میں سمجھی شاید وہ میری بات نہیں سمجھ پائی لہٰذا دوبارہ کہا نہیں بسم اللہ نہیں کلمہ سناؤ لا الہ الا اللہ والا۔ جواباً اس دس سالہ بچی نے میری شکل یوں دیکھی گویا میں نے اس سے LITLE STAR TWINKLE TWINKLE سنانے کی فرمائش کی ہو۔ اور پھر یہ افسوسناک انکشاف ہوا کہ اسے کلمہ آتا ہی نہیں۔

قارئین کرام! توجہ فرمائیے۔ اس بچی نے ایک مسلمان گھرانے میں آنکھ کھولی ہے اس کے والدین اور عزیز و اقارب مسلمان ہیں اس کی عمر ۱۰ سال ہے اور اسے کلمہ نہیں آتا یعنی اس چیز سے بھی نا آشنا ہے جسے محض مسلمان کہلانے کے لیے بھی پڑھنا ضروری ہے خدا جانے اور کتنے "مسلمان" گھرانے ہیں جن کے بچے کلمہ طیبہ سے بھی ناواقف ہیں۔

آئیے اب آپکو تصویر کا دوسرا رخ دکھاؤں۔ بچی کلمہ نہ سنا سکنے پہ شرمندہ سی ہو گئی میں نے پیار اور نرمی سے اس کی شرمندگی کو کم کرنا چاہا اور پاس بٹھا کر کلمہ سکھانے لگی۔ چھ سات تو لفظ تھے اس نے فوراً ازبر کر لیے۔ اب اس کے چہرے پہ شرمندگی کی بجائے کچھ سیکھ لینے پہ آنے والا اعتماد سا تھا۔ وہی کیا خود میں بھی کوئی کارنامہ سرانجام دینے والے کی طرح خوش تھی۔ تھوڑی دیر بعد کمرے میں کوئی چیز رکھنے گئی لیکن جونہی دوبارہ برآمدے میں آئی تو دروازے ہی میں ٹھٹھک گئی۔ آپ خود ہی بتائیے آپ باہر سے آئیں اور آپ کی پالتو بلی آپ کو "ہیلو مس"، یا "ہیلو سر" کہہ کر مخاطب کرے تو آپ کی کیا حالت ہوگی۔ میرے لیے بھی یہ صورتحال اسی قدر غیر متوقع اور حیران کن بلکہ پریشان کن تھی۔ میں نے دیکھا بچی برآمدے میں پڑے ریڈیو سے نکلنے والے سروں پہ باقاعدہ ٹھمک رہی تھی اس کے ناچنے کا نپا تلا انداز اور موسیقی پہ اٹھنے والے ہلکے اور تیز قدم مجھے حیرت زدہ کر گئے مجھے اچانک سامنے دیکھ کر وہ کھسیائی اور جھجک کر بیٹھ گئی۔ میرے اندر تک عجیب سا دکھ اتر گیا۔ پوچھا ڈانس کہاں سے سیکھا ہے؟ بولی میری ہمسائی کرتی ہے جب وہ کر رہی تھی تو میں غور سے دیکھتی رہی پھر مجھے خود بھی کرنا آگیا۔" اس کی اس بات پہ مجھے مختلف تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم معزز گھرانوں کی لڑکیاں یاد آگئیں۔ کسی عام تعلیمی فنکشن پہ تقریر کرنے کے لیے کوئی طالبہ ملے یا نہیں لیکن ہر سال مینا بازار یا فن فیئر پہ بیسیوں لڑکیاں ڈانس پہ آمادہ بلکہ مشتاق نظر آتی ہیں

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

اور یہ چیز ہمارے معاشرے میں اس طرح سے قدم جما رہی ہے کہ اب تعلیمی اداروں کی اکثریت کے ورائٹی پروگرامز میں ڈانس کو لازمی حیثیت حاصل ہو گئی ہے خود میرے کالج میں کسی پارٹی یا فنکشن پہ سٹاف نے ورائٹی پروگرام کا انتظام کرنا ہو تو یہ جملہ کہہ دیا جاتا ہے "تین چار ڈانس اور ایک آدھ چھوٹا موٹا ڈرامہ رکھ لیں" (کیونکہ اساتذہ کرام کو ڈرامے کے برعکس ڈانس سکھانے کا تردد نہیں کرنا پڑتا) اور اس بات پہ بظاہر کوئی بھی معترض نہیں ہوتا اس لیے کہ اسے ثقافت کا حصہ قرار دے دیا گیا ہے کوئی زیادہ بااصول پرنسپل صاحبہ ہوں تو وہ یہ کہہ دیں گی "نہیں انڈیا کے کسی گانے پہ ڈانس نہیں ہو گا ہاں لوک رقص کا پروگرام رکھ لیں" گویا رقص اگر لوک رقص ہو تو برائی سے پاک اور تہذیب و ثقافت کا حصہ سمجھا جانے لگا ہے۔ تعلیمی ادارے بھی اگر یہی درس دیتے ہیں تو پھر ان اَن پڑھ گھرانے کی بچیوں کا کیا قصور؟ اور پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک پڑھی لکھی تعلیم یافتہ باشعور اور معزز گھرانے کی لڑکی رقص کرے تو وہ تہذیب و ثقافت کا حصہ کہلائے اور اگر یہی کام وہ طبقہ جسے ہم نچلا کہتے ہیں کی لڑکی کرے تو اسے میراثی یا مہذب لفظوں میں رقاصہ کہا جائے۔

اس طبقاتی فرق کی بحث کو چھوڑیے فقط اس پہ غور کیجئے کہ یہ رقص و نغمہ اگر تہذیب و ثقافت کا حصہ ہے تو کس کی کی تہذیب و ثقافت کا؟ ہماری؟ ہم لوگ کون ہیں؟ اگر مسلمان ہیں تو مسلم تہذیب کیا ہے؟ بلکہ آئیے پہلے دیکھیں یہ تہذیب و ثقافت کیا بلا ہے؟ "جب بہت سے لوگ ایک جگہ مل کر چند اصول و ضوابط کے تحت زندگی گزارنے لگیں تو ان کے رہنے سہنے کے طور طریقے تہذیب و ثقافت کہلاتے ہیں"۔

یہ اس کی سب سے سادہ اور آسان تعریف (DEFINITION) ہے ہم مسلمان ہیں یا کم از کم مسلمان کہلاتے ہیں تو ظاہر ہے ہمارا معاشرہ مسلم معاشرہ ہو گا۔ اب مسلم معاشرے نے اپنے رہنے سہنے اور زندگی گزارنے کے اصول و ضوابط کہاں سے لیے؟ ظاہر ہے مسلمان اہلِ قرآن ہیں تو یہ قوانین بھی قرآن ہی سے سیکھے ہیں اور حدیث و سنت ہی سے لیں گے تو پھر قرآن اس سلسلے میں کیا کہتا ہے؟ کیا اس نے موسیقی سننے والوں کو کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالے جانے کی "بدبشارت" نہیں سنائی؟ کیا اس نے اس کائنات کی خوبصورت اور دلفریب ترین جنس

معذرت

ستمبر کے شمارے میں تصحیح فرما لیجیے۔

۱ "جو چاہو سو پوچھو" کے مضمون نگار جناب احمد نواز (گوجرہ) ہیں۔ جو غلطی سے حق نواز لکھا گیا۔

۲ "مسلمانوں کے سائنسی عروج و زوال" کے مضمون نگار جناب ابو نعمان بخاری (کراچی) ہیں۔

۳ صفحہ ۱۵ پر لکھا ہوا شعر یوں پڑھا جائے۔

زندگی آپ کی عنایت ہے
ورنہ ہم لوگ مر گئے ہوتے

۴ صفحہ اول پر: جلد: ۱۰ کی بجائے جلد: ۱ پڑھیے

مدیر

جسے جنس لطیف کہا جاتا ہے کو یہ ہدایت نہیں کی کہ "گھروں سے نکلتے ہوئے اپنی اوڑھنیاں اپنے چہروں پہ ڈال لیا کرو تاکہ پتہ چلے کہ شریف گھرانوں کی بیبیاں ہیں؟" (اس آیت کا آخری جملہ بھی خاص توجہ طلب ہے) تو پھر یہ ناچ یہ رقص یہ نغمہ اور یہ موسیقی یہ سب کیا ہے؟ اگر قرآنِ پاک اسے ناپسند کرتا ہے تو پھر اہلِ قرآن اسے اپنی تہذیب کا نام دینے پہ کیوں مصر ہیں؟

ہم اس لحاظ سے نہایت خوش قسمت ہیں کہ اسلام وہ واحد مذہب ہے جو صرف نماز و روزہ تک محدود نہیں بلکہ صبح جاگنے سے رات سونے تک کے تمام امور انجام دینے کے اصول وضع کرتا ہے اس کی ہر بات دو ٹوک اور واضح ہے حکم دیتا ہے کہ ایسا کرو اور روک دیتا ہے کہ ایسا نہ کرو اور پھر اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ جب ہمارے پاس ایسا سادہ، واضح اور آسان ضابطۂ حیات ہے تو پھر ادھر اُدھر سے مانگے تانگے کے اصول و نظریات ملا جلا کر کھچڑی بلکہ ملغوبہ سا تیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جب خود ہمارے پاس معلمِ اکمل موجود ہے تو پھر غیروں کی روش اپنانا چہ معنی دارد؟ جب ہماری اپنی ایک الگ تہذیب ہے تو پھر دوسری قوموں

خصوصاً جنھیں ہم غیر ہی نہیں اپنا دشمن بھی سمجھتے ہیں کی ثقافت کو اس میں ضم کرنے کی کیا تک ہے؟

میں خاص طور پہ ان قارئین کرام جن کے قدموں تلے جنت رکھ دی گئی ہے سے کہوں گی کہ ملک و قوم کو ایک باشعور و باصلاحیت فرد دینا کوئی آسان کام نہیں اس میں دو چار نہیں سیکڑوں بڑے سخت مقام آتے ہیں۔ انسان کی صلاحیت دیکھ کر اسے کوئی کام سونپا جاتا ہے لہٰذا خلاّئے قادر المطلق نے اس کائنات کی سب سے بھاری ذمہ داری آپ کے نازک کندھوں پہ رکھ دی ہے اس لیے کہ اسی علام الغیوب نے ان حساس دلوں اور خوبصورت ذہنوں کو اس فرض کی انجام دہی کی صلاحیت بھی بخش رکھی ہے اس فرض کی ادائیگی میں سرخرو ہونے کی کوشش کیجئے کہ آپ ایسا کر سکتی ہیں۔

مجھے اپنے گوجرانوالہ ہی کے ایک انگلش میڈیم سکول کی عیسائی پرنسپل کبھی نہیں بھولے گی۔ ایک عزیزہ آئیں کہ بچی کو سکول داخل کروانا ہے ذرا ساتھ چلو۔ چل دیے۔ پرنسپل صاحبہ کے آفس میں بٹھائے گئے۔ ساڑھے آٹھ کا عالم تھا اور سکول میں ٹیسٹ لیے جا رہے تھے۔ تمام سٹاف جمع تھا اتنے میں ایک استاد صاحبہ آفس میں داخل ہوئیں اور پھر گویا زلزلہ سا آگیا۔ ان سے غالباً گذشتہ روز کوئی خطا سرزد ہو چکی تھی۔ پرنسپل صاحبہ انہیں دیکھتے ہی برس پڑیں "آپ استاد ہیں آپ کو معلوم ہے استاد کسے کہتے ہیں؟ معلم کو، تعلیم دینے والے کو، آپ علم دیتی ہیں بچوں کو۔ زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھاتی ہیں، پڑھاتی ہیں مگر آپ کا اپنا کردار کیا ہے؟ آپ خود اپنی تربیت نہیں کر سکیں تو ان معصوم ذہنوں کو کیا سکھائیں گی؟ وہ شخص جو استاد کے عہدے پہ فائز ہو استاد کا مقام رکھتا ہو اسے چیک کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئے؟ استاد کو کیوں چیک کرنا پڑے"؟ یہاں تک تو ہم بھی ایک جذب کے عالم میں سنتے رہے مگر پھر یکلخت گویا پرنسپل صاحبہ نے ہمارے منہ پر زوردار تھپیڑ دے مارا انتہائی طنزیہ اور کاٹ دار لہجے میں کہنے لگیں "اور پھر آپ تو "مسلمان" ہیں "مسلمان"۔ آپ مسلمانوں میں تو حقوق و فرائض بڑے سکھائے جاتے ہیں۔ لفظ ڈیوٹی جانتے ہیں آپ؟ وہ جسے آپ مسلمان "فرض" کہتے ہیں معلوم ہے کیا ہوتا ہے؟" دوران گفتگو اس خاتون نے لفظ فرض اور مسلمان اس طرح سے چبا چبا کر ادا کیے گویا وہ اس اکیلی استاد کو نہیں بلکہ پوری مسلمان قوم کو لتاڑ رہی ہو اور اس کا زہر میں بجھا لہجہ صاف کہہ رہا تھا کہ وہ جنھیں مسلمان کہا جاتا ہے صرف لفظ فرض کی گردان کرتے ہیں جانتے نہیں فرض ہوتا کیا ہے؟

یہ بھی سنتے جائیے کہ یہ پرنسپل مسلمان قوم کے ساتھ کیا سلوک روا کیے ہوئے ہے؟ وہ اس قوم کے بچوں کو بڑی محبت سے تعلیم دے رہی ہے "بیٹے ہم (عیسائیوں) اور آپ (مسلمانوں) میں کوئی خاص فرق نہیں ہے جس طرح آپ لوگ کسی کو بہادری کی وجہ سے شیر کا بچہ کہتے ہیں اسی طرح ہم لوگ حضرت عیسیٰ کو پرہیزگاری کے سبب انہیں خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور بس"۔ ان کے سکول میں تعلیم پانے والی میٹرک کی طالبات سرے سے دوپٹہ نہیں لیتیں۔ ایک طالبہ سے میری جان پہچان ہے اور انہوں نے اپنے والد صاحب سے صاف

—— حدیث اسید بن حضیر ﷺ: حضرت اسید بن حضیرؓ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نے کہا: یارسولؐ اللہ! آپؐ نے جس طرح فلاں شخص کو حکومت عطا فرمائی ہے اسی طرح مجھے بھی (کسی علاقہ کی) حکومت دے دیجیئے۔ آپؐ نے فرمایا: عنقریب میرے بعد تم کو حق تلفیوں سے دوچار ہونا پڑے گا تو ایسی صورت میں تم صبر کرنا حتیٰ کہ تم مجھ سے حوضِ کوثر پر آکر ملو۔

اخرجه البخاری فی: کتاب ۶۳ مناقب الانصار: باب ۸ قول النبی ﷺ للانصار:
اصبروا حتی تلقونی علی الحوض

کہہ دیا ہے کہ "ابو میری کلاس میں کوئی لڑکی دوپٹہ نہیں لیتی اس لیے مجھے گلے میں یہ پٹی ڈالتے ہوئے بھی شرم آتی ہے سب مذاق کرتے ہیں کہ ملانی ہے" اور پھر اس ۱۵ سالہ لڑکی نے وہ پٹی بھی اتار پھینکی۔

آپ کو یقیناً یہ سب پڑھ کر اس پرنسپل پر سخت غصہ آرہا ہوگا جی ہاں مجھے بھی بہت غصہ آیا تھا اور پھر یہ چیز تو ہماری معاشرت میں عام ہوگئی ہے کہ بہن اپنی کسی کے ساتھ بھاگ جائے تو غیرت مند بھائی جوش میں آکر اس "مدکسی" کو قتل کر ڈالتے ہیں اور یہاں بھی ہمارا منصوبہ اس پرنسپل کو نیست و نابود کر دینے کا بن رہا ہے حالانکہ اگر اس طالبہ نے سر بلکہ گلے سے دوپٹہ اتارا ہے تو اس میں قصور کس کا ؟ پرنسپل کا ؟ یا طالبہ کے والدین کا جن کے ہاتھوں اس کی تربیت ہوئی ؟ میں نے بہت سی طالبات کو یونیورسٹی میں نقاب اوڑھے دیکھا ہے انہیں اپنی ساتھی ہم جماعتوں سے شرم کیوں نہیں آتی ؟ اس لیے کہ ان کے اندر قومی تشخص بیدار ہے وہ نہ صرف اپنی ایک الگ شناخت کرواتی ہیں بلکہ اس شناخت پہ فخر سے سربلند بھی ہیں۔

لہٰذا میں خاص طور پر ان ہستیوں سے جنھیں ماں ہونے کا شرف حاصل ہے کہوں گی کہ یوں تو ہر دور ہی میں بچے کی تربیت ایک نازک اور اہم ترین ذمہ داری رہی ہے لیکن آج کے اس دور میں یہ ذمہ داری زیادہ توجہ طلب بن گئی ہے اس لیے کہ اب ہم لوگوں نے بچوں کو غلط راہ دکھانے کے زیادہ مواقع فراہم کر رکھے ہیں ایک طرف ہندو نے اپنی تہذیب کے پنجے ہمارے سینے میں گاڑھ رکھے ہیں اور دوسری طرف عیسائیت ہماری نبضوں پہ ہاتھ دھرے ہوئے ہے ہمیں اپنے بچوں کو، اپنے مستقبل کو اغیار کے چنگل سے نکالنا ہے اور اس کے لیے سب سے پہلی ضرورت ان میں خود شناسی پیدا کرنے کی ہے۔ دشمنان اسلام نے بڑی دور اندیشی اور عیاری سے کام لیتے ہوئے بڑے نفسیاتی حربے استعمال کیے ہیں جن میں سرفہرست بچوں کے دلوں میں ان کے مذہب کے لیے پیدا کیا جانیوالا احساسِ کمتری ہے۔ یہ زہر اس مشاقی سے ان کے قلب و ذہن میں اتارا گیا ہے کہ اب وہ اسلام کے زریں اصولوں پہ محض بیک ورڈ کہلائے جانے کے خوف سے عمل نہیں کرتے ایسے میں انہیں درست راہنمائی کی سخت ضرورت ہے اس

> ہمیشہ مسلمانوں پر بھروسہ کرو۔ کہ جس دل میں ایمان ہو وہ دوسرے مومن کا بھلا سوچتا ہے اُس کے دکھ پر دکھ محسوس کرتا ہے اور اُس کی راحت پر خوش ہوتا ہے۔
> اور اے مؤمنین! اگر تم صبر کرو یعنی کوئی مشکل بھی سامنے ہو تو بجائے کفار پر اعتماد کرنے کے صبر کرو اور اطاعت الٰہی کو شعار بناؤ تو اُن کا فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا کہ اُن کے اعمال بھی اللہ ہی کے قبضہ و قدرت میں ہیں۔ ہاں اگر تم خود ہی اُن کی جھولی میں جا گرو یا اللہ کی نافرمانی شروع کر دو تو پھر بات دوسری ہے۔ گویا گناہ صرف آخرت کی مصیبت ہی نہیں لاتا، دنیا کی ذلت اور پریشانی بھی عدمِ اطاعت کا پھل ہے جس طرح اطاعت کا پھل اطمینان اور دلی راحت ہے۔
> (حضرت مولانا محمد اکرم مد ظلہٗ)

احساسِ کمتری کو دور کرنے کے لیے ہمیں ان کے دلوں میں مذہبی و قومی تشخص کو ابھارنا ہے اس اعتماد کو پیدا کرنا ہے جو ایک مسلمان کا خاصا ہے انہیں اپنی تہذیب، اپنی ثقافت اور اپنی معاشرت سے روشناس کرانا ہے۔ قیصر و کسریٰ بھی ان "جاہل" عربوں کا بہت مذاق اڑایا کرتے تھے اور پھر تاریخ نے دیکھا کہ انہیں "عاقلوں" کے تخت و تاج ان "جاہلوں کے قدموں تلے تھے۔

اسلام چونکہ ایک دین فطرت ہے لہٰذا وہ بندے سے اس کی استطاعت سے زیادہ کچھ طلب نہیں کرتا بلکہ دیکھا جائے تو کوئی دوسرا مذہب اس دینِ حق سے زیادہ انسانی فطرت سے میل نہیں کھاتا اس پہ عمل کرنے کے لیے دنیا ترک کرنے یا جنگلوں میں نکلنے کی ضرورت نہیں ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے زندگی کے امور سرانجام دیتے ہوئے بھی اس پہ عمل کر سکتے ہیں بلکہ سچ پوچھئے تو اسلام پہ عمل کرنے سے ہم روزمرہ کے امور بہتر طریقے سے انجام دے سکتے ہیں۔

ہمارے ہاں بچے کی تربیت اور بڑے کی شائستگی میں

http://lovaitaiahbooks.blogspot.com/

ایک سیلاٹ بہت اہم سمجھی جاتی ہے اور وہ ہے ممنون و مشکور ہونے کی صورت میں شکریہ کہنا۔ دو سالہ بچے کو بھی اگر کوئی کچھ دے تو ہم فوراً کہتے ہیں "بیٹے تھینک یو کہیے" تاکہ بچے کو آداب یا مینرز سے واقفیت ہو۔ خود کو ویل مینرڈ ظاہر کرنے میں بھی یہ تھینک یو۔ بہت کام دیتا ہے کیسی عجیب بات ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی عنایات کرنے والے جو درحقیقت دینے والے نہیں بلکہ دینے والے کا ایک وسیلہ، ایک ذریعہ بنتے ہیں شکریہ ادا کیے جانے کے مستحق سمجھے جاتے ہیں لیکن وہ جو پروردگار ہے رزاق حقیقی ہے کو تھینک یو کہنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی جائے اور پھر بھی خود کو با اخلاق کہنے پہ اصرار ہو۔ آئیے آج سے اس رحمٰن الرحیم کا شکریہ ادا کرنا شروع کریں مگر کیسے؟ تہہ دل سے اور اس کے لیے اس کے احکامات کی بجا آوری ہی کافی ہے جس کے لیے زیادہ تردد کی ضرورت نہیں ہے اب دیکھیے ظاہری شخصیت میں خواہ چند ماہ کا بچہ ہو یا سن رسیدہ بزرگ ہماری توجہ سب سے پہلے لباس لیتا ہے مہذب دکھائی دینے کے لیے ہم اس کی صفائی کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ تھوڑی سی مزید توجہ صرف کرتے ہوئے اگر اس کی صفائی کے ساتھ پاکیزگی کا خیال بھی رکھ لیا جائے تو خدا تعالیٰ کے ایک حکم کی تعمیل تو نہیں ہو گئی۔

خوراک انسان کی بنیادی ضرورت ہے بھوک کے محرک کی تسکین کے لیے وہ دن میں مخصوص اوقات پہ کھانا کھاتا ہے خدا تعالیٰ کا احسان ملاحظہ فرمائیے۔ کھانا اس خیال سے دائیں ہاتھ اور تسمیہ پڑھ کر کھایا جائے کہ ہمارے نبی اکرمؐ کی سنت اور حکم خداوندی ہے تو کھانا کھانا عبادت میں شمار ہو جائے گا اور محنت کیا ہوئی اس پہ؟ فقط بسم اللہ پڑھی اور دائیں ہاتھ سے کھایا ہے۔

اسی طرح رزق حلال کے لیے جائز ذریعہ معاش اپنایا تو ثواب کمایا گھر سے نکلتے وقت پہلے دایاں قدم رکھا تو نیکی ملی سلام میں پہل کی تو اجر پایا۔ نماز سے پہلے فقط مسواک کر لی تو ثواب میں کئی گنا اضافہ ہو گیا کسی دوسرے شخص سے مسکرا کر ملے تو صدقہ دے دیا خوش اخلاقی سے ملے تو اپنے رب کی نظروں میں محبوب ہو گئے۔ غرض بے حد معمولی معمولی باتیں عبادت کا درجہ پا رہی ہیں اور بعض اوقات بغیر کسی خاص محنت کے اجر و ثواب مل رہا ہے صرف یہی نہیں بہت سی جگہوں پہ معمولی تردد سے۔ بیماریوں اور مصیبتوں سے چھٹکارا دلایا جا رہا ہے اسی سے اندازہ لگائیے حدیث پاک ہے "جو شخص بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت بایاں قدم اور نکلتے ہوئے دایاں قدم پہلے رکھے گا اسے کبھی فالج نہ ہو گا۔" معمولی بات ہے لیکن نہ صرف تعمیل ارشاد ہو گئی بلکہ ایک بیماری سے چھٹکارے کی نوید بھی مل گئی۔

روزمرہ کی ان چھوٹی چھوٹی اور عام سی باتوں کا خیال رکھنے پہ زیادہ محنت بلکہ بسا اوقات سرے سے محنت کرنا ہی نہیں پڑتی لیکن بحیثیت مسلمان ہمارا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا، کھانا پینا اور ملنا جلنا ایک عبادت بن جائے گا اور صرف یہی نہیں بلکہ ہم اپنے انداز و اطوار سے الگ اور منفرد دکھائی دینے لگیں گے۔ انسان کے لیے محض خوش شکل ہونا ہی کافی نہیں ہوتا اس لیے کہ ایک خوبصورت انسان اور ایک حسین مجسمے میں فرق ہوتا ہے بلکہ ذرا غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ انسان کو دوسرے لوگوں میں جو چیز منفرد و ممتاز اور محبوب بناتی ہے وہ اس کا کردار ہی ہے۔ ہم لوگ اہل قرآن ہیں تو ہمارے کردار و شخصیت میں قرآن ہی کا عکس نظر آنا چاہیے۔ اقبال کا یہ شعر آپ نے بہت دفعہ سنا ہو گا۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن   قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

ایسا اکثر ہوتا ہے کہ ہم ایک شعر کو بیسیوں مرتبہ بھی پڑھیں تو کچھ محسوس نہیں کرتے لیکن کبھی کسی خاص کیفیت یا مخصوص صورت حال میں وہی شعر نظروں سے گزرے تو گویا ادراک کے پٹ وا ہوتے چلے جاتے ہیں اور حیرت سی ہوتی ہے کہ یہ عام سا شعر تو بہت پیارا ہے۔ تو عزیز قاری! اقبال کے اس شعر کو ذرا ایک نظر دوبارہ دیکھیے اسے پڑھیے اور پھر ایک مرد مومن کو چشم تصور میں لائیے کیا ایسا حسین، شائستہ، پاکیزہ، سنجیدہ مگر خوش مزاج، ملنسار، ہمدرد، غمگسار، رحمدل، دلیر، امین، صدیق غنی، دلنواز غرض انتہائی دلربا سیرت و کردار کا مالک آپ نے کہیں دیکھا ہے! لیکن یہ سب صفات پانے کے لیے مومن ہونا ضروری ہے اور مومن ہونا کیا ہے؟ یا مومن بننے کے لیے کیا کرنا ہو گا قرآن و سنت پہ عمل۔

لہٰذا آئیے اپنے آپ کو سنوارنے کے لیے، نکھارنے کے لیے اصل لطف زندگی پانے کے لیے اپنے معمولاتِ زندگی سنتِ نبوی اور احکاماتِ خداوندی کے مطابق گزارنا شروع کریں۔

http://lowaisahbooks.blogspot.com/

تصوّف کیا نہیں؟

تصوّف کے لیے نہ کشف و کرامات شرط ہے نہ دُنیا کے کاروبار میں ترقّی دِلانے کا نام تصوّف ہے، نہ تعویذ گنڈوں کا نام ہے نہ جھاڑ پھُونک سے بیماری دُور کرنے کا نام تصوّف ہے نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوّف ہے، نہ قبروں پر سجدہ کرنے، ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوّف ہے اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوّف ہے، نہ اولیاء اللہ کو غیبی نِدا کرنا، مشکل کُشا اور حاجت رَوا سمجھنا تصوّف ہے، نہ اِس میں ٹھیکیداری ہے کہ پِیر کی ایک توجّہ سے مُرید کی پُوری اِصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دَولت بغیر مجاہدہ اور بِدُون اِتّباعِ سُنّت حاصل ہو جائے گی ۔ نہ اِس میں کشف و اِلہام کا صحیح اُترنا لازمی ہے اور نہ وَجد و تواجد اور رقص و سرود کا نام تصوّف ہے۔ یہ سب چیزیں تصوّف کا لازمہ بلکہ عین تصوّف سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوّفِ اسلامی کا اِطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اِسلامی تصوّف کی عین ضِد ہیں ۔

(دلائل السُّلوک)

http://owaisiahbooks.blogspot.com/

ہماری مطبوعات

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

○ تصوف

تعارف تصوف	۵/- روپے
دلائل السلوک (اردو)	۴۰/- روپے
دلائل السلوک (انگریزی)	۱۰۰/- روپے
اسرار الحرمین	۱۵/- روپے
عقائد وکمالات علماء دیوبند	۱۰/- روپے
علم وعرفان	۵/- روپے

○ حیات بعد الموت :

سیف اویسیہ
حیاتِ برزخیہ
حیاتِ انبیاء
حیاتُ النبیؐ
مذاہب اربعہ اہل سُنّت کی نظر میں

۱۰/- روپے
۳۰/- روپے
۱۵/- روپے
۱۰/- روپے

○ شیعیت - تحقیقی مطالعہ :

الدین الخالص
ایمان بالقرآن
تحذیر المسلمین
تفسیر آیاتِ اربعہ
تحقیق حلال وحرام
حرمتِ ماتم
ایجادِ مذہب شیعہ
شکست اعدائے حسینؓ
دامادِ علیؓ
بناتِ رسولؐ
الجمال والکمال
عقیدۂ امامت اوراس کی حقیقت

۳۰/- روپے
۲۵/- روپے
۳۰/- روپے
روپے
روپے
روپے
۱۰/- روپے
روپے
روپے
۵/- روپے
۱۰/- روپے
۵/- روپے

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اسرار التنزیل فی حصہ	۱۰/- روپے
چار پارے (مکمل ومجلد)	۵۰/- روپے
دیارِ حبیبؐ میں چند روز	۱۰/- روپے
ارشاد السالکین (اول)	۱۰/- روپے
ارشاد السالکین (دوم)	۵/- روپے
امیر معاویہؓ	۱۰/- روپے
راہی کرب وبلا	۵/- روپے
عصرِ حاضر کا امام	۵/- روپے
شیعہ مذہب کے بنیادی عقائد	۴/- روپے
حیاتِ طیبہ	۱۰/- روپے

پروفیسر حافظ عبد الرزاق ایم اے اسلامیات وعربی

ذکر اللہ (؟)	۵/- روپے
لغت شین	۱۰/- روپے
اطمینانِ قلب	۱۵/- روپے
تصوف وتعمیرِ سیرت	۱۵/- روپے
کس لیے آتے تھے؟	۱۰/- روپے
خدایا ایں کرم بار دگر کن	۱۰/- روپے
بزمِ انجم	۲۰/- روپے
دین ودانش	۱۰/- روپے
کونوا عباد اللہ	۵/- روپے
انوار التنزیل	۱۰/- روپے
مغالطے	۱۵/- روپے

سول ایجنٹ : اویسیہ کتب خانہ
• الوہاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

http://owaisiahbooks.blogspot.com/